تاریخ الاذان

از تبرکات

حضرت حجۃ اللہ الکبریٰ آیۃ اللہ العظمیٰ نعمۃ اللہ علی الاسلام والمسلمین

آقا السید علی اظہر طیب اللہ رمسہ

بانی و موسس رسالہ اصلاح کھجوا

مطبوعہ مطبع اصلاح ضلع سارن (بہار)

قیمت 2/50

پانچوان ایڈیشن

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ

تاریخ الاذان

مصنفہ

حضرت ظہیر الملۃ والدین

مولانا السید علی اظہر طاب ثراہ

وجعل الجنۃ مثواہ

مطبوعہ اصلاح پریس کھجوا ضلع سارن (بہار)

طبع ثالث

قیمت ایک [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین محمد و آلہ الطاہرین۔ درحقیقت اذان خدا کی ایک رحمت ہے جو ٹھیک دوپہر کے وقت شدت تمازت آفتاب میں یاد خدا کے لیے چونکاتی اور شام کو دن بھر کے تھکے ماندوں کو یاد خدا کی ترغیب دلاتی ہے کہ دن تو تمہارا تمام ہوا اب بھی تو خدا کو یاد کر لو۔ صبح کے وقت بستر راحت کے سونے والوں کو بھی یہ آواز بیدار کرتی ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر جس کا نام شارع مقدس نے اذان رکھا ہے۔

یہ آوازیں ہمارے بغل کے اُن دونوں مسجدوں سے بلند ہوتی ہیں جنھیں اہل اسلام نے اپنی قومی تفریق کے ثبوت کے لئے تعمیر کیا ہے اور اس ذریعہ سے وہ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم دو علیحدہ بستیاں ہیں اس لیئے ایک مسجد کا نمازی دوسری مسجد سے یہ کہہ کر نکالا جاتا ہے کہ "سگ را با مسجد چہ کار" اور اب یہ تثنیہ بصورت تثلیث دکھائی دیتا ہے۔ مقلد۔ غیر مقلد۔ شیعہ۔

یہی وجہ ہے کہ دونوں فریقوں کی آوازیں بھی مختلف انداز سے نکلتی ہیں جس سے اجنبی شخص بھی سمجھ جائے کہ یہ دو فرقوں کی آوازیں ہیں مگر انہیں اسی اختلاف پر قناعت نہیں کی گئی ہے بلکہ بعض جملوں کے گھٹاؤ بڑھاؤ نے ایسا نمایاں فرق پیدا کر دیا ہے کہ پھر کسی طرح سے اشتباہ نہیں رہتا کیونکہ چار مرتبہ اللہ اکبر اور دو مرتبہ اشہد ان لا الہ الا اللہ اور دو مرتبہ اشہد ان محمد رسول اللہ سے مخالفت کرنے کی تو کسی کو گنجائش ہی نہ تھی مگر اس جملہ کے بعد اشہد ان امیر المومنین و امام المتقین علیاً ولی اللہ و وصی رسول اللہ

وخلیفتہ بلافصل ہی وہ عقیدہ ہے جس کے محو واثبات نے ہم کو دو فریق بنایا۔

جو لوگ اس عقیدہ کے قائل نہیں وہ اہل سنت کہلاتے ہیں اُن کی اذان بھی اس جملہ سے خالی رہتی ہے اور برخلاف اس کے شیعوں کی اذان میں یہ جملہ کچھ اس جوش وخروش سے ادا ہوتا ہے کہ ہر سننے والا یہی نتیجہ نکالتا ہے کہ اس فرقہ کو اس مبارک نام سے کچھ ایسی شیفتگی ہے کہ گویا اس نام کے سنتے ہی ان کے ہر رگ وپے میں خون کو جوش ہوتا ہے اور ایسا جوش کہ پھر دنیا ومافیہا کی ان کو خبر نہیں رہتی۔

ان جملوں کے بعد حی علی الصلوٰۃ دو مرتبہ حی علی الفلاح اسی اتفاق سے ادا ہوتے ہیں جس کی ہر خیر خواہ اسلام کو تمنا رہتی ہے مگر اس کے بعد شیعوں کی اذان میں پانچوں وقت حی علیٰ خیر العمل کی دو مرتبہ پکار ہوتی ہے اور اہل سنت کے یہاں یہ جملہ کسی وقت داخل اذان نہیں ہوتا جس سے ایک گونہ اذان کا وزن ہلکا معلوم ہوتا ہے مگر صبح کے وقت الصلوٰۃ خیر من النوم سے یہ کمی پوری کر دی جاتی ہے پھر اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ لا الٰہ الا اللہ کے ادا میں البتہ صورت اتفاق نظر آتی ہے مگر بعض دفعہ اس میں بھی کچھ کمی سی ہو جاتی ہے۔ یہی اذان ہے جو عام مسلمانوں میں جاری ہے اور ہر نماز کے پہلے اس کی پکار ہوتی ہے۔ جس سے ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ یہ بھی ایک جزو عبادت ہے جس میں اختلاف ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی یہی سبب ہے کہ ہزارہا مختلف حدیثوں میں اس کی فضیلتیں بتائی گئی ہیں اور بے حد وحساب اس کے فضائل دکھائے گئے ہیں۔ مگر ناظرین فن تاریخ جانتے ہیں کہ گزشتہ اسلاف نے اس جملہ کو بھی ملکی اور پولیٹکل مقاصد میں داخل کر دیا!

تھا جس سے وقتاً فوقتاً انواع و اقسام کے تغیرات و تبدلات اس میں ہوا کئے اور بہت سی خوں ریزیوں کی اس کی وجہ سے نوبت آئی جس کی تفصیلی اطلاع سے موجودہ اہل اسلام کی بہت کچھ تشفی ہو سکتی ہے اور حال کے اختلافات کو مٹا سکتے ہیں بشرطیکہ اس کی کوشش کریں۔

تحقیق لفظی

اذان بہ فتحہ ہمزہ یا تو مثل امان ہے بہ معنی ایمان یا مصدر ہے باب تفعیل کا بروزن سلام و کلام جس کے معنی اعلام و اجازت کے ہیں یعنی لوگوں کو خبر دینا اور مطلع کرنا یا اجازت دینا۔ اگر اذان بمعنی اعلام لیا جائے تو اس کا مجرد اذن ہوگا بہ معنی علم جیسا کہ قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔ اٰذنتکم علی سواء جس کے معنی اعلمتکم کے ہے یعنی میں نے خبردار کیا تم کو اور ہم اور تم علم میں برابر ہوئے اور یہی معنی فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ کے بھی بعض مفسروں نے بیان کیا ہے کہ فاذنوا کے معنی فاعلموا کے ہیں کہ تم خود کو خبردار کر دو حرب خدا اور رسول سے اذن گوش یعنی کان کو بھی کہتے ہیں اور سننے کو بھی ان باتوں کے جن کا سننا یا اتباع کرنا مناسب ہے جیسا کہ قرآن میں ہے واذنت لربھا وحقت یعنی استمعت و اطاعت و انقادت۔ اور باب تفعیل میں لے جانے سے معنی ندا پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اذّن موذن ای نادی منادٍ یعنی پکارا پکارنے والے نے کیونکہ اذن کے معنی خبر دینے کے ہیں اور اذن بالتشدید کے معنی زیادہ خبر دینے کے ہیں اسی سے ہے وہ اذان جس کی بیان بحث ہے۔ اذان دینے والے کو موذن کہتے ہیں جیسا کہ جس مینار پر کھڑے ہو کر اذان دینے والے اذان دیتے ہیں اس کو مئذنہ کہتے ہیں۔

اذان قبل اسلام

اگرچہ اذان کے لغوی معنی ندا کے ہیں مگر اہل اسلام کی اصطلاح میں اب یہ نام ان چند کلمات کا قرار پایا ہے جو نماز کے وقت پکارے جاتے ہیں اور دیگر انبیا کے زمانہ میں یہ کام ناقوس وغیرہ سے لیا جاتا تھا اور عرب کے لوگ کبھی آگ لگا کر کبھی کسی کلمہ کو بہ آواز بلند پکار کر یہ کام نکالتے مگر کسی خاص ندا یا صدا پر اذان کا اطلاق نہیں ہوتا تھا۔ ہاں قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے ندا دینے کو اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے جہاں ملت ابراہیمی کی بہت سی باتوں کی تجدید کی ہے اس سنت اذان کو بھی جاری کیا چنانچہ خداوند عالم قصۂ بنائے خانۂ کعبہ میں ان لفظوں میں حکم دیتا ہے واذن فی الناس بالحج یعنی ابراہیمؑ تم لوگوں کو حج کے لئے پکارو جس کی تعمیل حضرت ابراہیمؑ نے یوں کی کہ کوہ ابوقبیس پر جو مکہ کا مشہور پہاڑ ہے چڑھ کر ہر چہار سمت پھر پھر کر یہ ندا دی یاایھا الناس کتب علیکم الحج الی البیت فاجیبوا ربکم یعنی تم لوگوں پر خانۂ کعبہ کا حج واجب کیا گیا ہے خدا کے پکار پر لبیک کہو۔ جب خدا کا یہ حکم نازل ہوا تو حضرت ابراہیمؑ کو بہ مقتضائے بشریت یہ تردد ہوا کہ ہماری آواز سب تک کیونکر پہونچے گی جس پر خداوند عالم نے اُن کی تسکین فرمائی اذن وعلی البلاغ تم پکارو تمہارے پکار کے لوگوں تک پہونچانا ہمارے ذمہ ہے۔

دوسری اذان قرآن میں بہ ذیل ذکر انبیاء علیہم السلام حضرت یوسفؑ کے قصہ میں مذکور ہے ثم اذن موذن ایتھا العیر انکم لسارقون یعنی پکارنے والے نے آواز دی کہ اے قافلہ والو تم لوگ چور ہو۔ یہ

ندا اس وقت دی گئی تھی جب برادران حضرت یوسفؑ رخصت ہو کر مصر سے کنعان کو واپس جا رہے تھے غرض یہ تھی کہ وہ ٹھہر جائیں اور ان کی تلاشی لی جائے۔

قرآن کی ایک اور اذان

اب قبل اس کے کہ ہم اسلام کی اذان کو اور اس کی ابتدائی حالت اور اس کے تغیرات کو بیان کریں ایک اور اذان کا تذکرہ ضروری ہے جو اذان اصطلاحی سے خارج ہے مگر قرآن پاک نے اس کو بہ لفظ اذان یاد کیا ہے۔ یہ اذان سورۂ برأت کی تیسری آیۃ میں مذکور ہے۔ واذان من اللہ و رسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریٔ من المشرکین و رسولہ فان تبتم فھو خیر لکم وان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ وبشر الذین کفروا بعذاب الیم۔ یہ سورہ اگرچہ سورہ برأت کے نام سے مشہور ہے اور دوسرا نام سورۂ توبہ ہے مگر حدیث کی کتابوں میں اس کا نام فاضحہ ہے جس نے اُن منافقوں کو اچھی طرح فضیحت کیا تھا جو حضرتؐ کے زمانہ میں مرتکب نفاق رہے کیونکہ نام بنام اُن منافقوں کو یاد کیا گیا تھا اسی وجہ سے وہ نام بعد کو نکال دیے گئے یا از خود نکل گئے۔

شان نزول اس کا یہ ہے کہ جناب رسول خداؐ نے کفار و مشرکین سے جو کچھ عہد و پیمان کیا تھا اکثر کفار اس میں خیانت کرتے اور مرتکب بد عہدی ہوتے لہذا یہ حکم نازل ہوا کہ اُن کو خبردار کر دو کہ ہمارے تمہارے درمیان جو عہد و پیمان تھے اس کی ذمہ داری سے اب ہم دستبردار ہوتے ہیں اور چار مہینہ کی مہلت دیتے ہیں مگر جو کفار پابند عہد و پیمان رہے ہیں وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اُن کا

عہد و پیمان اس زمانہ تک باقی رہے گا جو زمانہ مقرر کیا گیا تھا۔

اب اس میں اختلاف ہے کہ جب چار مہینہ کی مہلت دی گئی تھی اس کی ابتدا کب سے ہے خاندان رسالت کی اکثر حدیثوں میں تو دہم ذی الحجہ سے دہم ربیع الثانی تک کی مہلت تھی مگر اور روایتوں میں اول شوال سے ابتدا قرار پائی اور بعض روایتوں میں دہم ذی قعدہ سے اس کی ابتدا تھی کیونکہ اس سال کفار کا حج اسی تاریخ کو ہوا تھا بہ قاعدہ نسئی۔

پھر حج اکبر میں بھی اختلاف ہے مگر خاندان رسالت کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر حج حج اکبر ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں حج اصغر عمرہ ہے جس کے ارکان بہ نسبت ارکان حج خفیف ہیں اسی لئے عمرہ کو حج اصغر اور حج کو حج اکبر کہتے ہیں۔

لیکن دوسرے مفسرین نے روز عرفہ کو حج اکبر کہا ہے اور بعضوں کا یہ قول ہے کہ مخصوص اسی سال کے حج کو حج اکبر کہتے ہیں جس میں کفار و اہل اسلام نے بالاتفاق حج کیا تھا اور اس کے بعد کفار کی ممانعت نازل ہوئی مگر اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ جب یہ سورہ نازل ہوا تو حضرت رسول خدا نے خلیفہ اول کو اور بہ روایت شاہ ولی اللہ صاحب خلیفہ اول و دوم دونوں کو یہ سورہ عنایت فرمایا کہ جا کر مکہ میں بزمانہ حج اس حکم کی تبلیغ کریں۔ شیخین کچھ دور گئے تھے کہ حکم خدا نازل ہوا کہ اس کام کو یا تم انجام دو یا علی ابن ابی طالب۔ تب پیغمبر نے اپنے ناقہ عضباء پر سوار کر کے بہ سرعت تمام علی مرتضیٰ کو روانہ کیا کہ ابوبکر سے اس سورہ کو لے لو اور جا کر مکہ میں اس کی تبلیغ کرو۔ خلیفہ اول منزل ذی الحلیفہ تک پہونچے تھے یا بہ روایت دیگر منزل روحا تک کہ علی مرتضیٰ ناقہ رسول پر سوار پہونچے اور خلیفہ اول سے سورہ برات کی آیتیں لے لیں شیخین روتے ہوئے حضرت

کی خدمت میں واپس آئے اور معزولی کی وجہ دریافت کی کہ کیا کوئی آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا جبریل امین یہ حکم لائے کہ اس کام کو یا تم انجام دو یا وہ شخص جو تم سے ہو علیؑ چونکہ مجھ سے ہیں جن کے سوا دوسرا کوئی تبلیغ رسالت نہیں کر سکتا تھا اس لئے علیؑ کو روانہ کیا۔

جناب امیرؑ نے ان آیات کی تبلیغ اس طرح فرمائی کہ بروز عرفہ عرفات میں اور شب عید کو مشعر الحرام میں اور روز عید منبروں کے پاس اور بقیہ ایام تشریق یعنی ۱۳-۱۴-۱۵ ماہ ذی الحجہ ان دس آیتوں کو بہ آواز بلند ہر جگہ گھوم گھوم کر سنایا اور اس وقت حضرتؑ کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ تھی۔ خود حضرت علی مرتضیٰؑ سے روایت ہے کہ حضرتؐ نے چار حکم کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا تھا ایک یہ کہ خانہ کعبہ میں اب کفار نہ داخل ہوں دوسرے یہ کہ طواف خانہ کعبہ کوئی برہنہ نہ کرے تیسرے یہ کہ مومن و کافر مسجد الحرام میں مجتمع نہ ہوں چوتھے یہ کہ جس کسی سے مقررہ مدت تک رسول اللہؐ کا معاہدہ ہے وہ عہد و پیمان اس مدت تک اپنی جگہ قائم رہے گا۔ یہی سبب ہے کہ جناب امیرؑ کا نام قرآن میں اذان قرار پایا ہے۔ کیونکہ حضرتؑ ہی اس حکم کی تعمیل کرنے والے تھے اور فریقین کی روایت سے دوسرا نام حضرت امیر المومنینؑ کا قرآن میں اذن واعیہ بھی ہے جو آیہ تعیہا اذن واعیہ میں مذکور ہے۔

ابتدائے اذان اسلام

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں:-

"مدینہ میں پہونچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض اور ارکان محدود اور معین کئے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت بھی

سب سے بڑا فرض تھا یہی وجہ تھی کہ اب تک روزہ زکوٰۃ نماز جمعہ نماز عید صدقہ فطرہ کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا چنانچہ سب سے پہلے آں حضرتؐ نے اس کا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا اس لئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آں حضرتؐ کی تجویز تھی۔ بہر حال مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمر آنکلے اور انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے۔ حضرت عمر کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعار اعظم ان ہی کی رائے کے موافق قائم ہوا۔" (الفاروق ص ۲۳)

مگر محدثین کے سب سے زیادہ معتبر بزرگ امام بخاری نے چند روایتیں لکھی ہیں:۔

(۱) عن انس قال ذکروا النار والناقوس فذکروا الیھود والنصاریٰ فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ۔

جناب انس بیان کرتے تھے کہ لوگوں نے نماز کا اعلان کرنے کے لئے آگ اور ناقوس کی رائے دی پھر یہود و نصاریٰ کا ذکر ہوا تو آنحضرتؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان میں دو دو مرتبہ اور اقامۃ میں ایک دفعہ کہیں (صحیح بخاری پ ۳ صفحہ ۳۳۴ کتاب الاذان) اس روایت میں حضرت عمر کا نام نہیں ہے

خود حضرت رسول صلعم کا ذکر ہے کہ حضور ہی نے اذان کا طریقہ مقرر کیا۔

(۲) دوسری وہی جسے مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے۔

(۳) تیسری روایت یہ ہے عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ الا الاقامۃ جناب انس بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا نے بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان کے کلمے دو دو مرتبہ اور اقامۃ میں ایک ایک بار کہیں سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے۔

(۴) چوتھی روایت یہ ہے۔ عن انس قال لما کثر الناس قال ذکر وا ان یعلموا وقت الصلوٰۃ بشئی یعرفونہ فذکروا ان یوروا نارا او یضربوا ناقوسا فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ جناب انس بیان کرتے تھے کہ جب لوگوں کی تعداد بڑھی لوگوں نے اس بات کا تذکرہ کیا کہ نماز کا وقت ایسی چیز سے واضح کیا جائے جس سے لوگوں کو خبر ہو جایا کرے تو کچھ لوگوں نے رائے دی کہ آگ روشن کر دی جایا کرے پھر کہا ناقوس بجایا جائے مگر حضرت رسول خدا صلعم نے بلال کو حکم دیا کہ اذان کہیں اذان میں دو دو بار کلمے کہیں اور اقامۃ میں ایک ایک بار (صحیح بخاری ج ۳ ص ۲۳۶ کتاب الاذان)

کتنی حیرت کی بات ہے کہ صحیح بخاری میں اذان کے متعلق چار روایتیں ہیں، جن میں سے تین کا مضمون یہ ہے کہ خود حضرت رسول خدا صلعم نے اذان دینے کا حکم دیا اور ان تینوں روایتوں میں حضرت عمر کا نام تک نہیں ہے صرف ایک روایت میں آپ کا ذکر ہے مگر مولوی شبلی صاحب کو حضرت عمر کے مفاخر بیان کرنے کی اتنی فکر تھی کہ جن تین روایتوں میں حضرت رسولؐ خدا کے

حکم دینے کا ذکر تھا ان سب کو نظر انداز کر دیا اور صرف ایک اور صرف ایک روایت میں حضرت عمر کا بیان تھا اس کو اس زور و شور سے بیان کیا کہ معلوم ہوتا ہے سیکڑوں روایتیں صرف اسی مضمون کی ہیں۔ اس امر میں مولوی صاحب نے اس قدر اہتمام کیا کہ الفاروق لکھنے کے مدت بعد سیرۃ النبی لکھی اس میں بھی اس بات پر زور دیا کہ اذان حضرت عمر ہی کی ایجاد ہے۔ ممدوح کی عبارت پڑھو:۔

"نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا لوگ آگے پیچھے آتے اور جو جس وقت آتا نماز پڑھ لیتا آنحضرتؐ کو یہ پسند نہ تھا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیے جائیں جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں لیکن اس میں زحمت تھی صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا لوگوں نے مختلف رائیں دیں کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کر دیا جائے لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائیں گے آپ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں اعلان نماز کے جو طریقے ہیں وہ بھی آپ کی خدمت میں عرض کئے گئے لیکن آپ نے حضرت عمر کی رائے پسند کی اور حضرت بلال رضؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی۔ دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوت اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔ صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زید نے پیش کی جو انھوں نے خواب میں دیکھی تھی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر کو بھی خواب میں توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی روایت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ بخاری میں صاف تصریح ہے کہ آنحضرتؐ کے سامنے بوق اور ناقوس

کی تجویزیں پیش کی گئیں لیکن حضرت عمر نے اذان کی تجویز پیش کی اور آپ نے اس کے موافق حضرت بلالؓ کو بلا کر اذان کا حکم دیا۔ خواب کا ذکر نہیں۔ (سیرۃ النبی جلد ا ص ۲۰۷)

مولوی شبلی صاحب سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ اسی صحیح بخاری میں اگر ایک جگہ تین روایتیں بتائیں کہ اذان کی تجویز حضرت رسولؐ خدا نے خود کی اور صرف ایک روایت بتائے کہ حضرت عمر نے اس کی رائے دی تو اجماع کس طرف سمجھا جائے گا اور کس قول کو اختیار کرنا مناسب ہے اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت عمر کی رائے دینے کی روایت صرف آپ کے فرزند عبداللہ کی ہے کسی اور صحابی نے اس کو نہیں بیان کیا (دیکھو صحیح بخاری) برخلاف اس کے حضرت رسولؐ خدا کے اپنی تجویز سے بلالؓ کو حکم دینے کی روایت جناب انس سے ہے جو حضرت رسولؐ خدا کے بیٹے نہیں تھے اور جن کو کوئی وجہ نہیں تھی کہ حضرت عمر کی فضیلت کو چھپائیں۔ اب ہر شخص خود فیصلہ کر لے کہ اذان کی ایجاد واقعاً حضرت عمر کی رائے سے ہوئی یا حضرت رسولؐ خدا کی تجویز سے اگر اب بھی دقت ہو تو اسی صحیح بخاری کی شرح سے اس مشکل کو حل کرو اول من اذن بالصلوٰۃ جبرئیل فی السماء الدنیا سب سے پہلے نماز کی اذان دنیا کے آسمان میں جناب جبرئیل نے دی۔ عن طریق سالم بن عبد اللہ بن عمر عن ابیہ قال لما اسری بالنبی اوحی اللہ الیہ الاذان فنزل بہ فعلمہ بلالا۔ حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ کے فرزند سالم کے طریق سے یہ روایت ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کو معراج ہوئی تو خدا ہی نے حضرتؐ کو وحی کے ذریعہ سے اذان کا طریقہ بتایا۔ حضرتؐ یہ حکم لے کر معراج سے

واپس تشریف لائے تو بلالؓ کو اذان سکھائی۔ من حدیث انس ان جبریل امر النبی بالاذان حین فرضت الصلوٰۃ جناب انس کی حدیث میں ہے کہ جناب جبریل نے حضرت رسول خداؐ کو اذان کا حکم دیا جب نماز فرض ہوئی۔ من حدیث علی قال لما اراد اللہ ان یعلم رسولہ الاذان اتاہ جبریل بدابۃ یقال لھا البراق فرکبھا فذکر الحدیث حضرت علیؑ کی حدیث میں ہے کہ جب خدا نے ارادہ کیا کہ اپنے رسولؐ کو اذان کی تعلیم کرے تو حضرتؐ کے پاس جبریل براق لائے حضرت اس پر سوار ہو کر معراج میں تشریف لے گئے اور وہاں خدا نے آپ کو اذان کی تعلیم دی۔ (صحیح بخاری مع شرح فتح الباری مطبوعہ دہلی پ ۳ صفحہ ۳۳ کتاب الاذان)

اور علامہ احمد بن خطیب قسطلانی نے اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں اس کی تحقیقات بڑی فراخ حوصلگی سے کی ہے اس وجہ سے اس عبارت کا ترجمہ بھی درج کر دینا مناسب ہے لکھتے ہیں۔" ابتداء اذان کے بارے میں علماء نے بہت کچھ اختلاف کیا ہے بعضوں کا یہ قول ہے کہ ہجرت کے پہلے سال میں اذان کا حکم جاری ہوا تھا اور بعض اس کے مدعی ہیں کہ ۲ھ میں اس کی ابتدا ہے بعض کا یہ قول ہے کہ چونکہ اوقات نماز معین تھے اس لئے نماز پڑھنے والے اپنے وقت پر خود ہی بغیر کسی طرح بلائے پہنچ جاتے تھے۔ مگر ابن سعد یہ روایت کرتے ہیں کہ جناب بلال الصلوٰۃ جامعۃ کی صدا بلند کرتے کہ یہی اس وقت کی اذان تھی جناب رسول خداؐ نے ۲ھ میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ نماز میں لوگوں کے یکجا کرنے کے لئے کون سی تدبیر اختیار کی جائے اس پر تین تجویزیں پیش ہوئیں (۱) مثل نصاریٰ ناقوس پھونکی جائے (۲) یہود کی طرح بوق بنائے جائیں۔ (۳) ہر نماز کے لئے

آگ روشن کی جائے جس کو دیکھ کر مجمع فراہم ہو جایا کرے مگر ابھی تک کوئی رائے نہیں قائم ہوئی تھی کہ عبد اللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ نے جو صحابی تھے خواب میں دیکھا کہ کسی نے یہ طریقہ اذان کا تعلیم کیا اور انھیں نے خدمت رسولؐ میں آکر عرض کیا۔

امام احمد بن حنبل نے معاذ بن جبل سے روایت کی ہے کہ خواب دیکھنے والے معاذ بن جبل ہیں اُن کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا اور اگر کہوں کہ وہ خواب نہیں تھا تو سچ ہوگا کہ ایک شخص جس پر دو سبز کپڑے پڑے ہیں قبلہ رُخ ہوا اور کھڑے ہو کر اس نے دو دو مرتبہ اللہ اکبر کہا جس طرح اذان کہی جاتی ہے اس پر حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ خواب سچ ہے جاؤ بلالؓ کو تعلیم کرو کہ اذان کہیں کیونکہ اُن کی آواز تمھاری آواز سے زیادہ پاٹ دار ہے۔ معاذ بن جبل کہتے تھے کہ میں بلالؓ کو اذان سکھا رہا تھا اور وہ بہ آواز بلند کہتے جاتے تھے کہ حضرت عمر نے اس کو اپنے گھر میں سن لیا وہ وہاں سے ردا کھینچتے ہوئے نکلے اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ ہم نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔

امام طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے بھی بیان کیا کہ میں نے یہی خواب دیکھا ہے۔ اور امام غزالی وسیط میں لکھتے ہیں کہ دس آدمیوں سے زیادہ لوگوں نے اس کا دعویٰ کیا کہ ہم نے بھی یہی خواب دیکھا ہے اور عبارت جیلی شرح تنبیہ میں یہ ہے کہ چودہ آدمی اس کے مدعی ہوئے تھے مگر ابن صلاح اور امام نووی اس کے منکر ہیں اور سیرۃ مغلطائی میں ہے کہ انصار سے سات آدمیوں نے اس کا دعویٰ کیا۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق سے صرف عبد اللہ بن زید کی روایت ثابت ہے اور قصہ حضرت عمر بعض طرق میں آیا ہے۔

علامہ سہیلی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں کون سی مصلحت تھی جو اذان

کی صورت بعض مسلمانوں کو دکھائی گئی اور بطور وحی یہ حکم نہ آیا جیسا دوسرے شرعی احکام میں وحی نازل ہوا کرتی تھی پھر اس میں کیا مصلحت تھی کہ حضرتؐ نے اس خواب کو رویائے حق قرار دیا اور اسی پر اذان کی بنا ہوئی۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اذان کا اجرا بذریعہ وحی ہوا یا اور کسی طرح۔ پھر ان اعتراضات کے خود ہی جوابات دیے ہیں کہ حضرتؐ نے شب معراج اذان ابتداء اس طرح پر ملاحظہ فرمائی تھی کہ حضرت علی مرتضیٰ سے روایت ہے کہ جب براق پر سوار ہو کر حضرتؐ تشریف لے گئے اور قریب حجاب پہنچے تو ایک فرشتہ حجاب قدرت سے نکلا اس نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون شخص ہے جناب جبرئیل نے بقسم بیان کیا کہ ہم نے اس فرشتہ کو کبھی نہیں دیکھا۔ اسی فرشتہ نے حضرت رسولؐ کو دیکھ کر کہا اللہ اکبر اللہ اکبر تب حجاب قدرت سے آواز آئی صحیح کہا میرے بندے نے میں اکبر ہوں میں اکبر ہوں اور بقیہ اذان بھی اسی طرح سنائی دی۔

علامہ سہیلی کہتے ہیں یہ اقویٰ ہے وحی سے اور جب حکم اذان میں مدینہ پہنچنے تک تاخیر ہوئی اور یہ منظور ہوا کہ لوگوں کو اوقات نماز سے اطلاع دے دی جایا کرے تو وحی اس وقت تک رک گئی کہ عبداللہ نے وہ خواب دیکھا یہ خواب اس کے موافق ہوا جس کو حضرت رسول خدا دیکھ چکے تھے اسی سبب سے آپ نے فرمایا انشاء اللہ یہ رویائے صادقہ ہے اور اسی وقت معلوم ہوا کہ خدا نے آسمان پر جو کچھ دکھایا تھا اس سے یہی منظور تھا کہ زمین میں بھی یہ سنت جاری ہو۔

مگر فتح الباری میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حکم اذان کا اثبات عبداللہ بن زید کے خواب سے درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پیغمبروں کے خواب۔ [illegible]

اور کسی شخص کے خواب سے حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا مگر اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس خواب کے ساتھ وحی بھی نازل ہوئی چنانچہ ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے جب اذان کو خواب میں دیکھا تو آ کر حضرت صلعم کو خبر دینی چاہی مگر یہاں آ کر انھیں معلوم ہوا کہ وحی اس کے قبل ہی آ چکی ہے کیونکہ آپ نے بلال رضی کو اذان کہتے سنا اور حضرت نے فرما بھی دیا کہ تمھارے خواب کے پہلے ہی مجھ پر اس کی وحی نازل ہو چکی ہے یہی زیادہ صحیح ہے اس سے جو داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر کے خواب سے آٹھ روز پہلے جناب جبریل وحی کا حکم اس اذان کے بارے میں آنحضرت پر لا چکے تھے عبد اللہ بن ربہ کا خواب بروایت ابن اسحاق یوں ہے کہ انھوں نے دیکھا کوئی شخص ناقوس لئے جاتا ہے انھوں نے پوچھا کیا اس کو بیچو گے؟ اس نے جواب دیا تم ناقوس کیا کرو گے؟ عبد اللہ نے کہا لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے۔ اس شخص نے جواب دیا میں اس سے بہتر چیز تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ نماز کے وقت اللہ اکبر اللہ اکبر کہا کرو آخر جملہ اقامت تک۔ اس کو ابو داؤد نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔

مسند حارث میں ہے کہ آسمان دنیا میں اول اذان دینے والے جبریل ہیں جس کو حضرت عمر اور بلال رض نے سنا جب بلال رض نے جا کر اس کی خبر دی تو حضرت نے فرمایا تم سے پہلے عمر خبر دے گئے ہیں۔ اور بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان کی ابتداء مکہ ہی میں ہو چکی تھی کہ حضرت صلعم نے معراج میں دیکھا اور بلال رض کو اس کی تعلیم فرمائی۔ اور دار قطنی کی یہ روایت ہے کہ جبریل نے اس کا حکم دیا تھا جس وقت نماز کی تعلیم کی تھی۔ (مواہب لدنیہ جلد ۱ صد ۲ مطبوعہ مصر)

ایک اور قوی دلیل اس امر کی کہ اذان کی ایجاد میں حضرت عمر کی رائے وغیرہ کو کوئی دخل نہیں ہوا یہ بھی ہے کہ مورخین نے حضرت عمر کی اولیات میں (ان باتوں میں جن کے وہی بانی ہوئے) اور امور کو لکھا مگر اذان کی رائے و مشورہ کو نہیں ذکر کیا۔ مثلاً علامہ سیوطی نے حضرت عمر کے فضائل میں بہ کثرت چیزیں بھر دی ہیں اور آپ کے اولیات میں بہت سی باتیں لکھیں یہاں تک کہ پہلے پہل متعہ حرام کرنے کا فخر بھی تحریر کر دیا تراویح کو بھی ذکر کیا امیر المومنین کا نام اول دفعہ اختیار کرنے کو بھی لکھا لیکن اذان کے متعلق ایک حرف بھی تحریر نہیں کیا (دیکھو تاریخ الخلفا صہ ۹۳ فصل فی اولیات عمر) حالانکہ حضرت عمر کے حالات کتاب تاریخ الخلفاء میں خاص اہتمام سے جمع کئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ سیوطی وغیرہ نے بھی اس روایت کو کہ حضرت عمر کی رائے سے اذان کی ایجاد کی گئی بالکل غلط اور ناقابل التفات سمجھا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی بہت بڑے مصنف گزرے ہیں انھوں نے صحابہ کے حالات میں سب سے زیادہ جامع کتاب اصابہ لکھی ہے اس میں حضرت عمر کے حالات بھی لکھے ہیں مگر اذان کے متعلق کوئی جملہ نہیں لکھا اسی طرح دوسرے علماء فن تاریخ و سیرۃ و رجال وغیرہ نے بھی اس سے سکوت ہی کیا ہے ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینیؒ نے کافی میں ابتدائے اذان کے متعلق دو روایتیں لکھی ہیں۔

(۱) عن ابی جعفر قال لما اسری برسول اللہ الی السماء فبلغ البیت المعمور وحضرت الصلوۃ فاذن جبرئیل واقام فتقدم رسول اللہ وصف الملائکۃ والنبیون خلف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جب رسول شب معراج کو بیت المعمور

تک پہونچے تو وقت نماز آچکا تھا وہاں حضرت جبریلؑ نے اذان و اقامت کہی اور رسولؐ نے نماز جماعت پڑھائی جس کی اقتدا ملائکہ اور انبیاء نے کی کہ حضرت کے پیچھے صف باندھے کھڑے تھے۔

(۲) عن ابی عبد اللہ قال لما ھبط جبرئیل بالاذان علی رسول اللہ کان راسہ فی حجر علی فاذن جبرئیل فلما انتبہ رسول اللہ قال سمعت قال نعم قال حفظت قال نعم قال ادع بلالاً فعلمہ، فدعا علیؑ بلالاً فعلمہ۔

(فروع کافی جلد ۲ صد ۱۷۵ ۱)

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جب حضرت جبریل حکم اذان لے کر رسول اللہ پر نازل ہوئے تو اس وقت حضرتؐ کا سر مبارک آغوش جناب امیرؑ میں تھا حضرت جبریل نے اذان و اقامت کہی جب رسول اللہ بیدار ہوئے تو پوچھا یا علیؑ تم نے بھی سُنا۔ عرض کیا ہاں۔ پوچھا یاد بھی کر لیا ہے۔ عرض کیا ہاں۔ تو فرمایا اچھا بلالؓ کو بلاؤ اور اس کی تعلیم دو۔ چنانچہ جناب امیرؑ نے بلالؓ کو بلا کر تعلیم فرمایا۔

اگرچہ عام مسلمانوں نے ہمیشہ اس قسم کی روایتوں سے چشم پوشی کی ہے مگر اس سبب سے نہیں کہ اس میں کوئی راوی ضعیف ہے یا مجہول یا کذاب ہے یا مفتری۔ بلکہ اس وجہ سے کہ ہمارے حلقہ یا ہماری سوسائٹی کی یہ روایت نہیں ہے یا اس وجہ سے کہ یہ روایتیں ان ذوات مقدسہ سے لی گئی ہیں جن کا استیصال کرنا سواد اعظم نے اپنا نصب العین بنا رکھا تھا جن کے نام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے ہمیشہ درپے رہے پھر ان کے ذریعہ کیونکر کوئی روایت قبول کی جا سکتی ہے جس سے نخواہی نخواہی ان کا نام لینا پڑے اور لوگوں کے

دماغ وقلب ان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

ہم یہاں اُن خصوصیتوں کو بیان کرتے ہیں جن سے عام نگاہیں ان روایتوں کی تصدیق و قبول پر مجبور ہو جائیں اور وہی درجہ ان روایتوں کو حاصل ہو جس کی وہ مستحق ہیں۔

(۱) یہ دونوں روایتیں مع اسناد ایک ہی جگہ پر مرقوم ہیں جس سے معلوم ہوا کہ دو واقعہ کو بہ ترتیب تقدم و تاخر بیان کیا ہے کہ پہلی اطلاع اس کی حضرت کو شب معراج ہوئی تھی اور دوسری اطلاع زمین پر جس کے بعد سے اس کا نفاذ شروع ہوا نہ یہ کہ دو مختلف روایتیں ہوں جیسا کہ روایات سابقہ کی شان تھی۔

(۲) ان دونوں روایتوں کے سوا اور کوئی روایت اس کتاب میں نہیں مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ محدث مذکور کے نزدیک یہ مسئلہ بلا اختلاف ثابت تھا جو ہر صورت میں اختلافی حکایتوں سے افضل ہوگا۔

(۳) ان روایتوں میں بھی وہی بات دکھائی گئی ہے کہ نزول حکم اذان بذریعہ رویا یعنی خواب تھا مگر اس خواب کے دیکھنے والے خود رسول اللہؐ تھے نہ کہ کوئی اور خواہ وہ جناب امیرؑ ہی کیوں نہ ہوں اگرچہ جناب امیرؑ بھی اس اذان سے مطلع ہوئے مگر خواب وغیرہ کے ذریعہ نہیں بلکہ جبرئیل نے پیغمبرؐ خدا کے سامنے اذان کہی تھی جسے جناب امیرؑ نے بھی سُنا اور یاد کر لیا۔ تو ان روایتوں کے ذریعہ علامہ سہیلی کے وہ تین اعتراضات بھی اُٹھ گئے جو بعض صحابہ کے خواب سے اذان پر انھوں نے نہایت شد و مد سے وارد کئے تھے اور کوئی جواب معقول آج تک اُن کا نہ ہو سکا۔

(۴) ان دونوں روایتوں سے وہ سب خرابیاں بھی دفع ہو گئیں جو مذکورہ بالا روایت سے پیدا ہوتی تھیں کہ حضرت عمر بلال کو اذان کہتے سُن کر قسم کھا بیٹھے کہ واللہ میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے کیونکہ ان روایتوں سے اچھی طرح ان راویوں

کی دروغ گوئی ثابت ہو جاتی ہے جنھوں نے حضرت عمر پر ایسا اتہام رکھا تھا۔ اس اتہام کی حقیقت یوں بھی کھل جاتی ہے کہ خود ان راویوں نے اس کے بارے میں چند طرح سے اختلاف کیا ہے۔

(۱) خواب دیکھنے والوں میں عمر انصاری کا نام بھی لیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ محض لفظ عمر کے مشترک ہونے کی وجہ سے حضرت عمر کی طرف بھی نسبت دے دی گئی۔

(۲) بہ قول علامہ قسطلانی حضرت عمر کا خواب بھی نہ معلوم ہوا کیا تھا کیونکہ ان روایتوں میں صرف اسی قدر دعویٰ کیا گیا ہے کہ حضرت عمر نے کہا ہم نے بھی ایسا ہی دیکھا ہے۔

(۳) یہ بھی تذبذب ہے کہ حضرت عمر نے خواب دیکھا تھا یا بیداری میں جو یقیناً لوازم نبوت سے ہے۔

(۴) حافظ ابن حجر عسقلانی نے صرف عبداللہ بن زید کی روایت کو ثابت کیا ہے روایت حضرت عمر کے اثبات کا دعویٰ نہیں کیا۔

(۵) بروایت ابوداؤد جب حضرت عمر نے اس کا دعویٰ کیا تو حضرتؐ نے فرمایا کہ آٹھ روز پہلے اس کی وحی آچکی ہے۔

(۶) انھیں بیانات سے وہ اتہام بھی باطل ہو گیا جو اس اذان کی نسبت میں حضرت ابوبکر کی طرف کی گئی کیونکہ علامہ ابن حجر نے صاف لکھ دیا ہے کہ روایت عبداللہ بن زید ثابت ہے اور روایت عمر بعض طرق میں آئی ہے۔

غرض ان مجموعی روایتوں کی حالت صاف طور پر بتا رہی ہے کہ واضعین روایات نے چاہا کسی طرح اور لوگوں کو بھی شریک منصب رسالت بنائیں تاکہ عوام پر ان کی ایسی عظمت ثابت ہو جس سے اُن کے ساتھ حسن عقیدت میں اضافہ ہو مگر علمائے اسلام اُن کی اصلیت کو بخوبی سمجھ گئے اور اچھی طرح بتا دیا کہ سوائے نبیؐ کے

اور کسی کا خواب کبھی معتبر نہیں ہو سکتا۔

یہ منصب شرکت فی الرسالت کا عطا کرنا کچھ اسی واقعہ سے مخصوص نہیں صدہا واقعات آپ کو ایسے ملیں گے جن میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ پبلک کو رسول اللہ کی غلطیاں دکھائی جائیں اور آپ کے مقابلہ میں دوسروں کا عمدہ رائے رکھنا بلکہ حضرت کی غلطیوں کی اصلاح کرنا اور قرآن کا اُن کی خواہش کے مطابق نازل ہونا دکھایا جائے جس سے ایک سچا مسلمان کانپ اُٹھتا ہے اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ اس قسم کے دشمن ان علانیہ دشمنوں سے بھی بدتر ہیں جو مخالف اسلام ہیں۔

الغرض فریقین کی جتنی روایتیں یہاں نقل کی گئی ہیں اُن سے اچھی طرح ثابت ہوا کہ اذان کا حکم رسول اللہ پر نازل ہوا تھا اور حضرت ہی کے حکم سے اُس نے اشاعت پائی نہ کہ کسی صحابی کے خواب یا بیداری میں دیکھنے سے خواہ وہ اذان سننے کا اسی روز یا اسی وقت مدعی ہوا ہو یا اس کے آٹھ روز بعد اور خواہ اس کے مدعی ایک صحابی ہوں یا سات انصاری یا دس صحابی یا ۱۴ صحابی جو محض غلط ہے اور بجز تقسیم منصب رسالت اس کا اور کوئی نتیجہ نہیں جو کسی طرح ممکن نہیں۔

اذان رسول اللہ

مورخین و محدثین اسلام نے ایک یہ مسئلہ بھی اختلافی بنا دیا ہے کہ رسول اللہ نے کبھی خود اذان کہی یا نہیں۔ روایتیں دونوں قسم کی پیش کی گئی ہیں۔ مگر ہم کو کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جو قابل وثوق و اعتماد ہو۔ صحیح ترمذی میں جو حدیث کی مشہور کتاب ہے اس کی روایت ہے کہ حضرت نے سفر میں اذان و اقامت کہی بعدہ بہ اشارہ نماز پڑھی مگر علماء نے اس حدیث کی رد کی ہے کیونکہ دار قطنی

نے اس روایت کو بہ ایں مضمون نقل کیا ہے کہ حضرتؐ نے بلالؓ کو حکم اذان دیا۔
جو لوگ اذان رسول اللہؐ کے منکر ہیں وہ اس کی چار وجہیں بیان کرتے ہیں۔

(۱) اگر حضرتؐ اذان دیتے تو آپ کے حی علی الصلوٰۃ فرمانے پر سب پر واجب ہو جاتا کہ نماز کے لئے آ موجود ہوں اور یہ موجب حرج ہے۔

مگر اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس ندا سے مقصود اعلان و اطلاع ہے نہ کہ حکم حضوری۔

(۲) حضرتؐ کا خود اپنی زبان سے اشہد ان محمداً رسول اللہ کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب بغرض افتخار ہو تب مذموم ہے اور اگر بغرض شکر نعمت باری ہو تو مستحسن ہے واما بنعمۃ ربک فحدث۔

(۳) اگر حضرتؐ اذان دیتے تو اس سے گمان ہوتا وہ محمدؐ دوسرے ہیں جن کی رسالتؐ پر شہادت دی جاتی ہے لہذا آپؐ نے اذان نہ دی۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس بنا پر چاہیئے تھا حضرت تشہد میں بھی اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ نہ فرماتے حالانکہ یہ کلمہ تشہد میں آپ کا زبان مبارک سے فرمانا یقینی طور پر ثابت ہے اسی طرح السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا بھی ثابت ہے۔

شاید اسی اعتراض کے دفعیہ کے لئے یہ حدیث بنائی گئی ہے کہ حضرت تشہد میں اشہد انی رسول اللہ فرماتے جس پر ابن حجر کہتے ہیں کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ کہنا بہ تواتر ثابت ہے۔

(۴) حضرتؐ کی عادت تھی جب کوئی عمل کرتے تو اس کی پابندی بھی کرتے

پس اگر اذان پابندی سے دیتے ہوتے تو ان امور میں خلل آتا جن کے لئے حضرت مبعوث ہوئے اور وہ اعمال جیسے جہاد و فیصلہ مقدمات و ہدایت ناس وغیرہ اس سے بہ مدارج افضل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین نے بھی اذان کی پابندی اختیار نہ کی۔

مگر اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ہر عمل کا التزام کرنا ضروری نہیں کیونکہ بہت سے اعمال ایسے بھی ہیں جن کا حضرتؐ نے التزام نہیں کیا اور دوسرے اعمال کا افضل ہونا بھی اس کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرتؐ نے اس کو نہ کیا ہو۔

مولوی عبدالحی صاحب رسالہ خیر الخبر فی اذان خیر البشر میں اس کا یوں فیصلہ کرتے ہیں کہ حضرتؐ کا اذان کہنا مولود کے کان میں یقیناً ثابت ہے کیونکہ بروایت ابوداؤد و ترمذی و احمد بن حنبل حضرات حسنین علیہم السلام کے کان میں بوقت ولادت اذان فرمائی تھی باقی رہی نماز تو ہم کو اس میں توقف ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ پیغمبرؐ خدا کے اذان کہنے یا نہ کہنے میں جو اختلاف کیا گیا ہے وہ صرف اسی غرض سے تاکہ خلفاء راشدین کے اذان نہ دینے پر کسی کو کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہے اُن کا یہ طریقہ پیغمبرؐ کے طرز عمل سے موید ہو جائے[۱] حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ خود حضرت عمر فرماتے ہیں لولا الخلافۃ لاذنت اگر میں خلیفہ نہ ہوتا تو اذان دیتا جس سے معلوم ہوا کہ خلفاء کا اذان نہ کہنا بخیال حفظ مراتب خلافت تھا نہ بر تاسی فعل رسول اللہ پھر صحیح ترمذی میں صاف روایت اس کی موجود ہے کہ حضرتؐ نے اذان فرمائی اور علامہ سیوطی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ ہم کو ایک حدیث مرسل ملی ہے باخراج سعد بن منصور کہ حضرتؐ نے

---

[۱] دیکھو خیر الخبر صفحہ ۲۳

بلالؓ کو خرید لو۔ عباس بلالؓ کی مالکہ کے پاس پہونچے اور پوچھا تم اپنے اس غلام کو بیچنے پر تیار ہو قبل اس کے کہ اس کی بھلائیاں جاتی رہیں اور تم اس کی قیمت سے محروم ہو جاؤ اس عورت نے کہا اس غلام کو لے کر تم کیا کروگے وہ بہت خبیث ہے۔ پھر عباس دوبارہ اس عورت سے ملے اور یہی بات دہرائی اور بلالؓ کو خرید لیا خرید کر ابوبکرؓ کے پاس بھیجا ابوبکر نے بلالؓ کو آزاد کر دیا بلالؓ برابر پیغمبرؐ کے لئے اذان دیا کئے جب پیغمبر خداؐ کی رحلت ہو گئی تو بلالؓ نے چاہا کہ شام چلے جائیں ابوبکر نے کہا تم میرے ہی پاس رہو بلالؓ نے کہا اگر آپ نے مجھے اپنے نفس کے لئے آزاد کیا تھا تو آپ روک سکتے ہیں اور اگر خدا کے لئے آزاد کیا تھا تو مجھے جانے دیجئے ابوبکر نے کہا تم جا سکتے ہو چنانچہ بلالؓ شام روانہ ہو گئے وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔ (استیعاب جلد ۱ ص ۵۹)

محقق دہلوی شیخ عبدالحق مدارج النبوۃ جلد دوئم میں لکھتے ہیں:۔

"روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبر خدا ابوبکر سے ملے اور فرمایا اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بلالؓ کو خرید لئے ہوتے ابوبکر عباس بن عبدالمطلب سے ملے اور کہا میرے واسطے بلالؓ کو خرید لیجئے۔ عباس امیہ بن خلف کی بیوی کے پاس گئے کہ وہی بلالؓ کی مالکہ تھی اور کہا تم اپنے اس غلام بلالؓ کو بیچنا چاہتی ہو قبل اس کے کہ وہ تمھارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم اس کی قیمت سے محروم ہو جاؤ۔ اس عورت نے کہا تم بلالؓ کو لے کر کیا کروگے وہ خبیث ہے کسی کام نہیں آئے گا۔ عباس دوبارہ اس عورت سے ملے اور یہی بات دہرائی۔ آخر عباس نے بلالؓ کو خرید لیا اور ابوبکر کے پاس بھیج دیا کہ انھیں بخش دیا ابوبکرؓ نے بلالؓ کو آزاد کر دیا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۶۷۲)

ان دونوں روایتوں سے بصراحت تمام ظاہر ہے کہ عباس عم پیغمبرؐ نے اپنے مال سے خریدا اور خرید کر ابوبکر کو بخش دیا پھر نہ معلوم اس میں حضرت ابوبکر کی کیا فضیلت نکلتی ہے۔ ان دونوں روایتوں میں یہی مرقوم ہے کہ حضرت عباس نے خرید کر حضرت ابوبکر کو بخشا مگر ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عباس کو اپنے ہی مال سے خریدنا تھا تو خود رسول اللہؐ کو کیوں نہ دیا جو ابوبکر کو بخش دیا لہذا معلوم ہوتا ہے یہاں بھی حرفت کی گئی ہے کہ اتنی ہی سہی حضرت ابوبکر کو فضیلت مل جائے ورنہ شیعوں کی کتب رجال میں ان کو مولیٰ رسول اللہ لکھا ہے یعنی رسولؐ اللہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

اس حرفت کا پتہ اس سے بخوبی مل سکتا ہے کہ راویوں نے اس کے متعلق کتنی روایتیں اور کس کس قسم کی بنائی ہیں پہلے تو قیمت میں تین قول ہے۔ (۱) پانچ اوقیہ کو خریدا (۲) سات اوقیہ کو خریدا۔ (۳) نو اوقیہ کو خریدا (۴) چوتھا قول یہ ہے کہ ایک غلام حبشی اس کے عوض میں دیا (۵) پانچواں قول یہ ہے کہ ابوبکر نے اُس وقت ان کو خریدا کہ کافروں نے ان کو پتھر کے نیچے دبا دیا تھا۔

یہ اختلاف بیان بجائے خود بڑی دلیل اس کی ہے کہ اصلیت کے خلاف باتیں بنائی گئی ہیں اور اصلی واقعہ چھپایا گیا ہے۔ حضرات اہل سنت نے صرف اسی بیان پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہاں تک ترقی کی کہ قبل از اظہار نبوتؐ آنحضرت ابوبکر کو بلال کا مالک بنایا اور اس مضمون کی روایت ڈھالی کہ جب حضرتؐ نے اپنے عم معظم ابوطالبؑ کے ساتھ سفر شام کیا ہے اور راہب نے حضرت ابوطالب کو خوف دلایا کہ یہود و نصاریٰ سے آپ کی حفاظت کرنی چاہیئے تو حضرت ابوطالب نے راہ سے معاودت کی اور مال اپنا بُصریٰ میں بیچ کر مکہ چلے آئے مگر بعض روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابوطالب نے کچھ لوگوں کو ساتھ کر کے حضرتؐ کو مکہ بھیج دیا اور

ساتھ یہ بھی جوڑ دیا کہ اس وقت حضرت ابوبکر نے بھی بلال کو حضرتؐ کے ساتھ کر دیا جس پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

"در بعض طرق وارد شدہ کہ فرستاد ابوبکر بلال را ہمراہ آنحضرت بمکہ و ایں درست نمی آید زیرا کہ ابوبکر دریں سفر ہمراہ نہ بود و بلال را ہنوز نخریدہ بود و ابوبکر خوردتر از حضرت بود و آنحضرتؐ دوازدہ سالہ بود۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۳۳)"

بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر نے بلال کو حضرت کے مکہ واپس جاتے وقت ساتھ کیا مگر یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ ابوبکر اس سفر میں آنحضرتؐ کے ہمراہ نہ تھے اور نہ انھوں نے اب تک بلال کو خریدا تھا نیز ابوبکر پیغمبرؐ سے بہت چھوٹے تھے اور پیغمبرؐ کی عمر بارہ سال کی تھی۔

اس روایت کے گڑھنے والے نے دو تین فضیلتیں حضرت ابوبکر کی ثابت کرنے کی کوشش کی تھی ایک یہ کہ ابوبکر اس سفر میں پیغمبرؐ کے ساتھ تھے جس کی رد شیخ صاحب نے یوں کی کہ "ابوبکر دریں سفر ہمراہ نہ بود" ابوبکر اس سفر میں پیغمبرؐ کے ہمراہ نہ تھے۔

یاروں نے ایک اور قصہ بھی یہاں بنایا ہے کہ بحیرا راہب نے ابوبکر ہی سے دریافت کیا تھا یہ کون مرد اس درخت کے نیچے بیٹھا ہے جس پر ابوبکر نے کہا۔ محمد بن عبداللہ ہیں تو راہب نے کہا۔ یہ پیغمبر آخرالزمان ہیں۔ جب حضرت مبعوث بر رسالتؐ ہوئے تو ابوبکر اسی بنیاد پر اسلام لائے اس پر شیخ عبدالحق لکھتے ہیں۔

"شیخ ابن حجر گفتہ کہ اگر صحیح است ایں قصہ پس سفرے دیگر خواہد بود غیر سفر ابی طالب"

(مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۳۴)

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر یہ قصہ صحیح مان لیا جائے تو یہ کوئی اور سفر ہوگا۔ جناب ابوطالب کے سفر کے علاوہ۔ اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ خود ابن حجر کو اس کی

صحت میں تردد ہے اور شروع روایت میں خود شیخ عبدالحق نے بھی کہا ہے۔

"از ابن عباس بستہ ضعیف روایت کردہ است"

بہت ضعیف واسطوں سے ابن عباس سے روایت کی ہے۔

دوسری فضیلت یہ کہ ابوبکر بلال کے مالک تھے۔

اس کے متعلق شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔

"بلال راہنوز نہ خریدہ بود" ابوبکر نے بلال کو ابھی تک نہیں خریدا تھا۔

تیسری فضیلت کہ ابوبکر نے از راہ کمال شفقت جس طرح حضرت ابوطالب نے لوگوں کو ساتھ کیا تھا اسی طرح ابوبکر نے بلال کو ساتھ کیا۔ اس کے متعلق شیخ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں۔

"ابوبکر خورد تر بود بدو سال" ابوبکر پیغمبرؐ سے دو سال چھوٹے تھے۔

پس جب شروع سے اہل سنت نے اس طرح کی روایتیں وضع کرنی شروع کی ہیں تو اور بھی اس روایت کی عدم صحت نمایاں ہوئی کہ حضرت عباس نے بلال کو خرید کر کے حوالہ ابوبکر کیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب چونکہ اثبات خلافت شیخین میں مجبور ہیں کہ جہاں تک ہو سکے وضعی روایتوں کا سہارا لیں اس لئے بلال کے مذکورہ قصہ میں لکھتے ہیں۔

"و آنچہ بعض اناس بہ سبب صغر سن صدیق دراں وقت و عدم اشتراء بلال الا بعد الاسلام استبعاد می کنند مجرد وہم است زیرا کہ ممکن آنست از اہل کیاست مثل ایں چیزہا کہ در صغر سن ظاہر شوند و جائز است کہ بلال را بطریق اجارہ یا عاریت ہمراہ گرفتہ باشند۔ واللہ اعلم"

(قرۃ العینین ص ۱۰۶)

اور یہ جو بعض لوگوں نے اس وقت حضرت ابوبکر کے کم سن ہونے کی وجہ سے

اس واقعہ کو بعید از عقل سمجھا ہے اور کہا ہے کہ بلال کو انھوں نے اسلام لانے کے بعد ہی خریدا ہوگا یہ محض وہم ہے اس لئے کہ دور بین و دور اندیش افراد سے ایسی باتیں کم سنی میں بھی ظاہر ہونا ممکن ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بلال کو انھوں نے خریدا نہ ہو بلکہ کرایہ پر یا بہ طور عاریت اپنے ساتھ لے لیا ہو۔ واللہ اعلم

اس جگہ مولوی نور الحسن صاحب نے جن کی تصحیح سے قرۃ العینین شایع ہوئی ہے جو حاشیہ لکھا ہے وہ بھی قابل دید ہے لکھتے ہیں :-

"می گوید بندہ خاکسار کہ ہرگاہ وفات بلال در سال بست ہجری باشد و او شصت و سہ سالہ مردہ باشد پس لامحالہ او دہ سال خورد از آنحضرت باشد و چوں سفر شام دوازدہم از سنین عمر شریف واقع شد ناگزیر بلال دریں ایام طفل دو سالہ باشد اجارہ و استعارہ او چہ معنی داشتہ باشد و اگر عمر بلال را ہفتاد سالہ فرض کردہ آید پس از آنجناب سہ سال کم باشد و در ایام سفر شام نہ سالہ باشد باز ہم اجارہ گرفتن یا استعارہ او خالی از بعد نیست فتامل"

(قرۃ العینین مطبوعہ مجتبائی دہلی صد ۱۰۶)

یہ بندہ خاکسار کہتا ہے کہ جبکہ بلال کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا اور وہ ۶۳ سال کی عمر میں مرے لہٰذا وہ لامحالہ دس سال عمر میں پیغمبرؐ خدا سے چھوٹے تھے اور چونکہ سفر شام کے وقت آنحضرتؐ کی عمر بارہ سال کی تھی لہٰذا لازم ہے کہ اس وقت بلال کی عمر دو سال کی رہی ہو اس صورت میں مزدوری یا بطور عاریت بلال کے ساتھ ہونے کے کیا معنی؟ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ بلال ۷۰ سال کی عمر میں مرے تو وہ پیغمبر خداؐ

سے عمر میں تین سال چھوٹے تھے اور سفر شام میں وہ نو سال کے رہے ہوں گے۔ اس صورت میں بھی مزدور کی حیثیت سے یا بطور عاریت اُن کو ساتھ لینا بعید از عقل ہے۔

اس عبارت سے شاہ صاحب کے کلام کی قلعی کھل گئی کہ حضرتؐ کے سفر شام کے وقت بلال کی عمر دو برس کی ہوتی ہے یا دوسرے قول کی بنا پر جو بے حد ضعیف قول ہے نو سال کی تو کس کی عقل میں یہ بات آ سکتی ہے کہ حضرت ابوبکر جو خود اس وقت ۹ یا ۱۰ سال کے تھے وہ دو سالہ یا ۹ سالہ لڑکے کو حضرتؐ کی حفاظت کے لئے ساتھ کر دیں۔

عبدالرحمان بن غزوان جو راوی ہے اس حدیث کا کہ حضرت ابوبکر شام میں پیغمبرؐ کے ہمراہ تھے اور انھوں نے بلال کو پیغمبرؐ کی حفاظت کے لئے ساتھ کیا کے متعلق علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

"یہ جو روایت اس نے قصہ سفر شام میں بیان کی ہے کہ ابوبکر نے بلال کو ساتھ کیا یہ باطل ہے کیونکہ بلال اس وقت تک پیدا بھی نہ ہوئے تھے اور خود ابوبکر اس وقت کم سن تھے۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۰۲)

اور علامہ ابن القیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں۔

"و وقع فی کتاب الترمذی وغیرہ انہ بعث معہ ابوبکر بلالا وھو من الغلط الواضح فان بلالا اذ ذاک لم یکن موجودا وان کان فلم یکن مع عمہ ولا مع ابی بکر۔

کتاب ترمذی وغیرہ میں جو یہ روایت آتی ہے کہ ابوبکر نے حضرت پیغمبرؐ کے ساتھ بلال کو بھیجا صریحی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ بلال تو اس وقت شاید پیدا بھی نہ ہوئے ہوں گے اور اگر پیدا ہو چکے تھے تو وہ نہ حضرت

ابو طالب کے ساتھ تھے نہ ابو بکر کے ساتھ۔

اور تاریخ خمیس میں ہے۔

قال الحافظ الدمیاطی و فی الحدیث وہم فی قولہ و بعث معہ ابو بکر بلالا اذ لم یکونا معہ ولم یکن بلالا اسلم ولا ملکہ ابو بکر بل کان ابو بکر حینئذ لم یبلغ عشر سنین و لم یملک ابو بکر بلالا الا بعد ذالک باکثر من ثلاثین وکذا ضعفہ الذہبی قال ابن حجر رجال ھذا الحدیث ثقاۃ ولیس فیہ منکر سوی قولہ و بعث معہ ابو بکر۔

حافظ دمیاطی کا بیان ہے کہ حدیث میں یہ فقرہ جو ہے کہ ابو بکر نے پیغمبرؐ کے ساتھ بلال کو بھیجا یہ وہم ہے اس لئے کہ اس سفر میں نہ ابو بکر پیغمبرؐ کے ہمراہ تھے نہ بلال۔ نہ بلال مسلمان ہی ہوئے تھے نہ ابو بکر ان کے مالک بنے تھے۔ ابو بکر تو اس وقت دس برس کے بھی نہ ہو پائے تھے ابو بکر تیس برس سے زیادہ کی عمر کو پہونچ کر بلال کے مالک ہوئے اسی طرح ذہبی نے بھی اس حدیث کے راوی کو ضعیف لکھا ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس حدیث کے رجال سب کے سب ثقہ ہیں اور اس میں کوئی ٹکڑا غلط نہیں سوا اس فقرہ کے کہ ابو بکر نے آپ کے ہمراہ بلال کو بھیجا۔

افسوس ہے کہ علمائے اہل سنت نے اپنے خلفاء کی محبت میں صحیح صحیح حدیثوں کو اس طرح غارت کیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ پیغمبرؐ کے سفر شام، بحیرا راہب کی ملاقات اور اس راہب کے بشارت دینے کا واقعہ کتنا پاکیزہ اور حقانیت اسلام کی کتنی روشن دلیل ہے مگر جب مخالفین اسلام اہل سنت کی نظروں سے یہ من گڑھت حدیثیں گذریں گی اور وہ دیکھیں گے کہ خود صحیح ترمذی میں ایسی غلط روایت موجود ہے جو

علمائے اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق غلط اور موضوع ہے تو اصل واقعات کی نظروں میں کس قدر مشکوک ہو جائے گا۔ تنقید بخاری میں اس کی پوری وضاحت کی جا چکی ہے کہ حضرت کے بعثت کا واقعہ بھی جو صحیح بخاری اور دیگر روایات فریقین میں بہ کثرت موجود ہے۔ اہل سنت کی کاربر روائیوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ وہاں بھی حضرت ابوبکر ہی بنجائے گئے اور صحیح روایت غارت کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جس قدر اہل سنت کی کتابیں ملک میں شائع ہو رہی ہیں اسلام کی مخالفت بڑھتی جا رہی ہے۔ کیونکہ عیسائی اور آریہ دونوں ان کتابوں کو دیکھتے ہیں اور انہیں وضعی روایتوں پر اعتراضات کی ایسی بوچھار کرتے ہیں کہ صحیح روایتیں بھی متزلزل ہو جاتی ہیں اور اہل سنت سے کچھ جواب نہیں بن پڑتا۔

بہر حال جب معلوم ہو چکا کہ حضرت بلال ابوبکر کے مال سے نہیں خریدے گئے بلکہ حضرت عباس نے خریدا تھا تو اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ حضرت عباس نے ابوبکر ہی کو ہبہ کیا نہ رسول اللہ کو تب بھی کوئی فضیلت حضرت ابوبکر کی نہیں نکلتی کیونکہ یہ جو کچھ ہے وہ حضرت عباس کی خیرات ہے۔

اب پھر اس میں اختلاف ہے کہ حضرت بلال نے اور کسی خلیفہ کے لئے اذان دی یا نہیں اہل سنت نے یہ روایت بھی بنائی ہے کہ بعد وفات پیغمبرؐ وہ بزمانہ ابی بکر بھی اذان دیتے تھے عمر نے اپنی خلافت میں چاہا کہ بلال اذان دیں تو بلال نے جواب دیا۔

"من اذان گفتم برائے رسول خدا واذان گفتم برائے ابوبکر کہ ولی نعمت من بود"	میں نے پیغمبر خدا کے لئے اذان کہی اور ابوبکر کے لئے جو میرے ولی نعمت تھے۔

شیخ عبدالحق اس روایت کو لکھ کر لکھتے ہیں:۔

"ایں روایت خلاف مشہور است" یہ روایت مشہور کے خلاف ہے۔

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ بلال نے عہد ابوبکر میں موذنی نہیں قبول کی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر درحقیقت ابوبکر ہی اُن کے مالک ہوتے اور بلال ان کو خلیفہ برحق سمجھتے تو کبھی ترک رفاقت نہ کرتے اور اُن کو چھوڑ کر ملک شام نہ چلے جاتے۔

یہ روایت محض اس لئے بنائی گئی ہے کہ کسی طرح ابوبکر کی کوئی حقیت مالکانہ حضرت بلال پر قائم کریں۔ لہذا اُن کے عہد میں اُن کے اذان دینے کا قصہ بنایا گیا حالانکہ باتفاق اہل سنت یہ غلط ہے۔

کتب رجال شیعہ سے اس واقعہ کی اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بلال نے بعد پیغمبر اذان دینا ترک کر دیا تھا۔ یہ ابوبکر کی خلافت پر راضی نہ تھے حضرت عمر نے ان کو مجبور کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ جس کو رسول اللہؐ نے اپنا خلیفہ نہیں بنایا ہم اس کی بیعت نہ کریں گے۔ کیونکہ حضرتؐ نے جسے اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا اس کی بیعت ابھی ہماری گردنوں میں ہے اور قیامت تک رہے گی۔ اس پر عمر نے ان کو گالی دی اور کہا کہ تم ہمارے شہر سے چلے جاؤ لہذا حضرت بلال نے سفر شام اختیار کیا۔

یہ روایت کتب رجال شیعہ میں ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس قدر تو یقینی ہے کہ بعد وفات پیغمبرؐ انھوں نے اذان کہنا چھوڑ دیا تھا اور شام چلے گئے تھے۔ ناظرین کتب تاریخ کو معلوم ہے کہ ملک شام اس وقت تک ملک کفر تھا کیونکہ وفاتِ رسولؐ کے بہت دنوں بعد وہاں جنگ شروع ہوئی خالد بن ولید پھر ابو عبیدہ بن الجراح وغیرہ بھیجے گئے اور ایک عرصہ کے بعد شام کا علاقہ فتح ہوا تو قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا تسلط ہو حضرت بلال کا وہاں جانا ضرور کسی خاص وجہ سے تھا اور پھر وہیں مدة العمر رہنا اور مدینہ منورہ نہ آنا جو حضرت کا دار الہجرۃ تھا اور تمام مسلمانوں کو اس کی تمنا ہوتی ہے کہ وہاں جا کر قیام پذیر ہوں اس کی خبر دیتا ہے کہ

یہ سفر حضرت بلال کا کسی خاص وجہ سے تھا کہ وہ مدینہ سے رنجیدہ ہو کر گئے تھے۔

اور تائید اس کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت بلال کے مدینہ آنے اور اذان کہنے کے بارے میں شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں :-

"چوں بلال رضی اللہ عنہ بہ شام رسید بعد از شش ماہ حضرت رسولؐ را بخواب دید کہ می فرمایند یا بلال ما هذه الجفا ولا تزورنا پس بلال ہماں ساعت متوجہ مدینہ شد و چوں نزدیک رسید از احوال فاطمہ و حسن و حسین سلام اللہ علیہم اجمعین پرسید گفتند فاطمہ بہ جنت خرامید و حسن حسین باقی اند و چوں بہ مدینہ در آمد خواستند مردم کہ برائے ایشاں اذان گوید ہیچکس را مجال آں نہ شد کہ بہ بلال آں سخن بگوید گفتند از حسینؑ التماس باید کرد کہ بہ بلال امر فرمایند کہ اذان بگوید کہ او را از فرمودہ ایشاں چارہ نخواہد بود پس امام حسینؑ امر فرمود و بلال بہ اذان گفتن در آں موضعے کہ در حضور شریف حضرت علیہ السلام میگفت بر آمد چوں گفت اللہ اکبر بہ تصور و تذکار ایام حیات رسالتؐ شور عظیم و گریہ بر مردم راہ یافت و چوں گفت اشهد ان لا الہ الا اللہ آں شور بیش و گریہ زیادہ شد و چوں گفت اشهد ان محمد رسول اللہ تزلزل در شہر افتاد و گریہ و نالہ در گرفت گویا امروز رحلت آنحضرتؐ است پس نیز بلال را مجال اذان گفتن شد نہ مردم را طاقت شنیدن ماند" (ص ۲۲۵)

"جب بلالؓ شام پہونچ گئے تو چھ مہینہ کے بعد پیغمبرؐ خدا کو خواب میں دیکھا آپ فرما رہے تھے بلالؓ یہ بے مروتی کیسی تم ہماری زیارت کو نہیں آتے یہ خواب دیکھ کر بلالؓ اسی وقت مدینہ روانہ ہو گئے جب مدینہ سے قریب پہونچے تو لوگوں سے حضرت فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کا حال دریافت

کیا لوگوں نے بتایا کہ فاطمہؑ تو دنیا سے انتقال کر گئیں حسنؑ و حسینؑ زندہ ہیں جب مدینہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے چاہا کہ بلالؓ اذان کہیں کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ بلالؓ سے یہ بات کہے ان لوگوں نے کہا کہ حسینؑ سے فرمائش کرنا چاہیے کہ وہ بلال کو اذان دینے کے لئے کہیں حسینؑ کی بات بلالؓ ٹال نہ سکیں گے امام حسینؑ نے بلالؓ سے اذان کی فرمائش کی بلالؓ اس جگہ اذان دینے کے لئے کھڑے ہوئے جس جگہ زمانۂ پیغمبرؐ میں اذان دیا کرتے تھے جیسے ہی انھوں نے اللہ اکبر کہا زمانۂ پیغمبر کی یاد اور تصور سے ایک شور برپا ہوا اور تمام لوگوں کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جب بلالؓ نے اشہد ان لا الہ الا اللہ کہا تو یہ شور و گریہ زیادہ ہوا جب انھوں نے اشہد ان محمد رسول اللہؐ کہا تو شہر میں ایک زلزلہ سا آ گیا اور شور گریہ و نالہ برپا ہوا جیسے آج ہی کے دن پیغمبر خداؐ کی رحلت ہوئی پس بلالؓ کو نہ اذان کہنے کا یارا باقی رہا نہ لوگوں میں سننے کی طاقت باقی رہی تھی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بلالؓ کا مدینہ آنا ایک خواب کے سبب تھا انھوں نے شام جانے کے چھ مہینے کے بعد پیغمبرؐ کو خواب میں دیکھا پیغمبرؐ نے شکایت کی کہ تم مدینہ کیوں نہیں آتے یہ دلیل ہے کہ بلالؓ بعد رحلت جناب رسالتمآبؐ اور قبل وفات جناب سیدہؑ شام چلے گئے تھے اور بنا بر روایات اہل سنت جناب سیدہؑ کی وفات پیغمبر خداؐ کی رحلت کے چھ ماہ بعد ہوئی جس سے اور بھی اس کی تائید ہوتی کہ پیغمبرؐ کے انتقال کے فوراً ہی بعد بلال شام چلے گئے تھے تو اب یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت بلالؓ خلافت کی طرف سے یا معتوب تھے یا خلافت نے اس وفات جناب سیدہؑ کو اس قابل نہ سمجھا کہ ان اصحاب کو جو دور دراز مقامات پر مقیم تھے اطلاع دی خواہ اس خیال سے

کہ عام مسلمانوں کو نہ معلوم ہو کہ رسولؐ اللہ کا کوئی وارث بھی ہے خواہ اس خیال سے کہ یہ واقعہ کوئی نشان نہیں رکھتا جس سے کسی کو اطلاع دی جائے۔
بہر حال حضرت بلال رضؓ کے استفسار احوال اہلبیتؑ طاہرین اور پھر کسی کی جرأت نہ کرنا اس پر کہ اذان کی فرمائش کرے اور جناب سید الشہداؑ کی فرمائش پر اذان دینا ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ خصوصیت تھی اُن کو خاندان رسالتؐ سے تھی نہ ابوبکر کی خریداری سے تھی نہ ان کے مال سے وفات ان کی سنہ ۲۰ھ میں ہوئی یا سنہ ۱۸ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں اور بعض لوگ ۷۰ برس لکھتے ہیں اور باب صغیر دمشق میں مدفون ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(۲) ابن ام مکتوم

بعض علماء نے ان کا نام عمرو لکھا ہے اور بعض عبداللہ اور بعض عبدالعزیز یہ پیدائشی نابینا تھے ان کی اذان کے بارے میں بروایت صحیح بخاری ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ماہ مبارک میں بلال کی اذان صبح کے بعد کھا سکتے ہو مگر جب ابن مکتوم اذان دیں تو ترک کر دو۔ مگر حضرت عائشہ اس روایت کو غلط بتاتی ہیں جیسا کہ سنن بیہقی میں ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا عبداللہ بن عمر نے اس روایت میں غلطی کی ہے کیونکہ حضرتؐ نے یہ فرمایا تھا کہ ابن مکتوم کی اذان تک اجازت کھانے کی ہے کیونکہ وہ نابینا ہیں جو وقت صبح نہیں پہچانتے بخلاف بلال رضؓ کے جو وقت کو پہچانتے ہیں پس اُن کی اذان کے بعد کھانا پینا چھوڑ دینا چاہیئے۔ افسوس ہے کہ راویوں نے بلکہ خود صحابہ کبار نے کس کس طرح حدیثوں کو اُلٹا ہے حضرت عائشہ کی اس قسم کی نکتہ چینیاں کا عبداللہ بن عمر۔ ابوہریرہ ابودرداء وغیرہ خصوصیت کے ساتھ نشانہ تھے جن کی حدیثیں صحاح ستہ میں زیادہ لی گئی ہیں علامہ سیوطی نے ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے جس کا نام

عین الاصابة فیما ادرکته عائشہ علی الصحابہ ہے جس میں بہت سے صحابہ کی غلط گوئیاں دکھائی گئی ہیں اور حضرت عمر کی روایتوں پر حضرت عائشہ نے جو اعتراضات کیئے ہیں اس کا پتہ تو صحیح بخاری وغیرہ سے بھی ملتا ہے۔ ابن مکتوم کی وفات جنگ قادسیہ میں ہوئی بعہد خلافت حضرت عمر۔

(۳) سعد قرظ

حضرت عمار بن یاسر کے غلام تھے جو آزاد کردیے گئے تھے رسول اللہؐ نے ان کو مسجد قبا کا موذن مقرر کیا تھا مگر خلیفۂ اول نے اپنے عہد خلافت میں بعد بلالؓ ان کو مسجد نبوی کا موذن مقرر کیا جو بعد کو اُن کا خاندانی منصب قرار پایا بعہد حکومت حجاج ۷۴ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(۴) ابو محذورہ

ان کا نام اوس یا سمرہ یا سلمان یا عبدالعزیز یا معبر تھا انھوں نے بحکم رسول اللہؐ مکہ میں اذان دی تھی ان کا نام آئندہ واقعات میں بھی آئے گا ان کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی۔

(۵) زیاد بن حارث صیدائی

انھوں نے حضرتؐ کے زمانہ میں سفر میں ایک دن اذان دی تھی جب پر حضرت بلالؓ نے چاہا کہ ہم اقامت کہیں تو حضرتؐ نے فرمایا کہ نہیں جس نے اذان دی ہے وہی اقامت کہے۔ سن وفات ان کا نہیں معلوم ہو سکا۔

ان حالات سے ہر با فہم سمجھ سکتا ہے کہ اصل موذن دو ہی تھے ایک بلال دوسرے

ابن مکتوم جیسا کہ ابن عمر کی مذکورہ بالا روایت بھی بتاتی ہے۔ سعد ابو محذورہ اور زیاد تو زبردستی موذن بنائے گئے ہیں جس کے اغراض آئندہ واقعات سے معلوم ہوں گے۔

صورت اذان

یہاں ہم فریقین کی کتب فقہیہ سے ایک مختصر تصویر اذان کی کھینچتے ہیں تاکہ ناظرین رسالہ کو کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہے۔

(۱) اذان پنج وقتہ نماز اور جمعہ کے لئے سنت ہے مگر امام محمد بن حسن (شاگرد و صحابی امام ابو حنیفہ) اس کو واجب جانتے ہیں بشرط اجتماع۔

(۲) ترجیع یعنی آواز میں گھٹاؤ بڑھاؤ نہ ہو مگر امام شافعی اس کا حکم دیتے ہیں۔

(۳) اذان کے فقرات ٹھہر ٹھہر کے کہنا چاہیئے بخلاف اقامت کے۔

(۴) اذان کہتے وقت قبلہ رو ہونا لازمی نہیں۔

(۵) حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح کہتے وقت دائیں بائیں منہ پھراتا جائے۔

(۶) اگر اذان دینے والا اذان دینے کی جگہ پر گھوم گھوم کر چکر لگائے[1] تو اور بھی بہتر ہے۔

---

[1] مولوی عبد الحی صاحب نے یہاں ایک روایت سنن ابو داؤد سے نقل کی ہے جس میں راوی بیان کرتا ہے کہ بلال گھومتے نہ تھے صرف حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح کہتے وقت گردن پھیر دیا کرتے تھے پھر مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ دوسرے محدثین نے اس قسم کی روایت کی ہے جس سے گھومنا چکر لگانا نکلتا ہے دیکھئے سیاقہ الفکر صد ۲۳۔

(۷) اگر اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالے رہے تو افضل ہے[۵] اور اگر نہ کرے تو حسن ہے۔

(۸) اذان صبح میں لوگوں کو خبردار کرنے کے لئے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح دو مرتبہ کہنا درمیان اذان واقامت کے بہتر ہے۔

(۹) دوسرے اوقات میں مکروہ ہے مگر امام ابو یوسف کہتے ہیں حکام کے لئے السلام علیک ایہا الامیر ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح رحمک اللہ کہنا اولیٰ ہے مگر امام محمد اس سے تعجب کرتے ہیں کیونکہ امیر غریب نماز میں سب برابر ہیں۔

(۱۰) درمیان اذان واقامہ کے بیٹھ جانا چاہیے کہ فصل ہو جائے بہ استثنا مغرب مگر ابو حنیفہ کے دونوں شاگرد وصحابی ابو یوسف اور محمد بن حسن اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ مختصر احکام ہم نے کتاب ہدایہ صفحہ ۔ پر سے نقل کئے ہیں جو فقہ اہل سنت کی

---

[۵] اصل عبارت ہدایہ کی یہ ہے الافضل للمؤذن ان یجعل اصبعیہ فی اذنیہ وان لم یفعل فحسن لسنۃ اصلیۃ مؤذن کے لئے افضل یہ ہے کہ اپنی انگلیاں کانوں میں دے لے اور اگر ایسا نہ کرے تو حسن ہے۔ اس میں شارحوں کو بہت کچھ دقت پڑی کہ ہے کہ اس کے کیا مطلب ہیں آخر اس کی کوئی صحیح توجیہ نہ کر سکا کیونکہ جب انگلیاں کان میں دینا افضل ہے تو نہ دینا حسن کیونکر ہوگا۔ ہاں یہ امر کہ وہ سنت اصلیہ نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہت ساری روایتوں میں یہ حکم صاف صاف موجود ہے کہ حضرت نے اس کا حکم دیا سنن ابن ماجہ اور مستدرک امام حاکم میں موجود ہے کہ حضرت نے بلال کو حکم دیا کہ کان میں انگلیاں دیا کرو۔ احمد و ابن حبان اور ابو بکر بن خزیمہ نے بھی اس کی روایت کی ہے اسی وجہ سے بہت سے علماء نے اس کلام کو کلام واہی بتایا ہے لیکن اصلیت اس کی یہ ہے کہ چونکہ حجاج کے مؤذن نے اس کی ایجاد کی تھی لہذا صاحب ہدایہ نے اس کو بھی سنت بنا دیا دیکھئے سیاحۃ الفکر صفحہ ۸۰ و ۸۲

نہایت مستند کتاب ہے۔

(۱۱) اور فقہ رحمانی میں ہے جو حنفی فقہ کی کتاب ہے۔

"فی کتاب المسعادات فی معرفۃ العبادات چوں اشہد ان محمدا رسول اللہ

بشنود گوید صلی اللہ علیک یا رسول اللہ چوں دویم بار بشنود بگوید قرۃ

عینی یا رسول اللہ ودو ناخن انگشت را بر چشم مالد وایں دعا بخواند اللھم

متعنی بالسمع والبصر"

کتاب السعادات فی معرفۃ العبادات میں ہے کہ جب اشہد ان محمدا رسول اللہ

سُنے تو کہے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور جب دوسری بار سنے تو کہے

قرۃ عینی یا رسول اللہ اور اپنے دونوں انگوٹھے آنکھوں پر ملے اور یہ

دعا پڑھے اللھم متعنی بالسمع والبصر۔

(۱) فقہ شیعہ میں بلا اختلاف پنج وقتہ نماز کے واسطے خواہ ادا نماز ہو یا

قضا فرادیٰ ہو یا بجماعت نماز پڑھنے والا مرد ہو یا عورت اذان واقامت

کہنا سنت ہے مگر عورت آہستہ اذان کہے گی۔

(۲) ترجیع مکروہ بلکہ حرام ہے۔

۳۔ ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ سے شیعوں کو کوئی تعلق نہیں نہ گھومنا ہے نہ چکر لگانا

دائیں بائیں پھرنے سے کوئی سروکار نہیں صرف قبلہ رو کھڑا ہو کر با آواز بلند کہے اور فقرات

اذان میں وقفہ دیتا جائے یہی اصل اذان رسول اللہ ہے۔

اور آخری ترکیب جو فقہ رحمانی سے لکھی گئی وہ خود دوسرے فرقہ کے نزدیک

بھی بے اصل محض ہے۔

گلدستہ اذان

صومعہ ۔ مئذنہ ۔ منارہ

ہدایہ میں یہ حکم لکھا ہے کہ موذن اگر صومعہ میں چکر لگائے تو بہتر ہے اس پر حاشیہ چڑھایا گیا ہے کہ صومعہ اصل میں رہبانوں کے عبادت خانوں کو کہتے ہیں جہاں راہب لوگ رہا کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں نہیں بلکہ حنفیوں نے یہ نام اپنی اس جگہ کے لئے انتخاب کیا ہے جو اذان دینے کے واسطے مینار بنایا جاتا ہے اور اس پر ایک جگہ بنادی جاتی ہے جس پر اذان دی جائے۔

عہد رسولؐ اللہ میں بلکہ خلفائے ثلثہ کے زمانہ تک نہ یہ منارہ تھا نہ یہ صومعہ بلکہ مسجد کے دروازہ پر یا صحن مسجد میں یا خاص مسجد میں اذان دی جاتی تھی۔

ابن سعد، مادر زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ جب تک مسجد نبی نہ تھی اس وقت تک بلال ہمارے مکان میں اذان دیتے تھے جو مسجد سے متصل اور بلند تھا جب مسجد تیار ہوئی تو اس کی چھت پہ بلال نے اذان دینا شروع کیا۔

ولید بن عبدالملک نے جب مسجد نبوی کی نئے سرے سے تعمیر کی تو اسی وقت یہ اضافہ بھی کیا گیا کہ مسجد کے ساتھ ایک صومعہ بھی بنایا گیا جس پر اذان دی جانے لگی۔

اس منارہ کا بننا تھا کہ روایتوں کا انبار بھی ہونے لگا کہ منارہ پر اذان دینا مسنون ہے۔

(۱) ابن عمر اور ابو بردہ اسلمی سے روایت ہے کہ منارہ پر اذان کہنا سنت ہے۔

(۲) بلال جو حضرت کے زمانہ میں اذان دیتے تھے تو ایک اسطوانہ پر دیتے تھے جو عبداللہ بن عمر کے مکان میں تھا اور مسجد نبوی سے قبلہ رو۔

(۳) ابن زبالہ نے بھی اس قسم کی روایت لکھی ہے اور اسی منارہ کا نام بھی بتایا

کہ مطماد تھا۔

(۴) یہ اسطوانہ حضرت حفصہ کے مکان میں تھا جو مسجد کے قریب تھا اسی پر بلال اذان دیا کرتے تھے۔

ان روایتوں کو نقل کر کے علامہ سمہودی لکھتے ہیں ان سب جگہوں کو اسطوانہ کہنا مجازاً ہے اور راوی اس کا کثیر الغلط ہے کہ اس کی کتابیں جل گئی تھیں لہذا اپنے حافظہ کے اعتماد پر حدیثیں بیان کرتا تھا اور ظاہر یہ ہے کہ عمر یا عثمان نے اذان کے لئے کوئی مینار نہیں بنوایا تھا ورنہ علماء اس کو بیان کرتے۔

اور علامہ سیوطی کتاب الاوائل میں لکھتے ہیں کہ "سب سے پہلے جو منارہ مصر پر چڑھا وہ شرجیل بن عامر ہے اور مسلمہ نے چند مینارے بنوائے اذان کے لئے اور اس کی بنا بحکم معاویہ تھی"۔ (یہ پوری عبارت حاشیہ ہدایہ سے لی گئی ہے جو مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی کی تصنیفات سے ہے۔ دیکھو ص ۷۶)

علامہ سیوطی حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں لکھتے ہیں کہ "مسلمہ نے جو عمرو عاص کے بعد معاویہ کی طرف سے مصر کا حاکم ہوا ان سب عمارتوں کو گرا دیا جو عمرو عاص نے اس مسجد کے متعلق بنوائی تھی پھر نئے سرے سے اس مسجد کی تعمیر کی اور پورب کی طرف اس مسجد میں اضافہ کیا۔ اسی تعمیر میں مسلمہ نے چار صومعہ (گلدستہ اذان) بنوایا تھا ہر چہار طرف اذان دینے کے لئے۔ اس مسجد اور کل عمارت کو عبد العزیز بن مروان نے سنہ ۷۹ھ میں توڑ دیا اور پچھم کی طرف بڑھا کر نئے سرے سے تعمیر کیا۔ پھر سنہ ۸۹ھ میں بحکم ولید اس میں ترمیم کی گئی۔ پھر سنہ ۹۲ھ میں قرہ بن شریک نے بحکم ولید توڑ کر بنوایا۔ اور سنہ ۹۵ھ میں محراب بھی اسی مسجد میں قائم کی گئی اور سمت قبلہ کچھ داہنی جانب کو

کیا گیا کیونکہ لیث بن سعد اور عبداللہ بن ربیعہ جو بڑے درجہ کے عالم تھے اُن کا یہ مذہب تھا کہ قبلہ کے داہنی جانب کچھ منحرف ہو کر نماز پڑھی جائے۔

محراب

شروع شروع مسجدیں بالکل سادہ ہوا کرتی تھیں جن میں نہ کوئی زینت کی جاتی تھی نہ نقش و نگار تھے نہ محراب تھا نہ مینار ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں جب مسجد رسول بہ اہتمام عمر بن عبدالعزیز تعمیر ہونے لگی (جو مدینہ کے گورنر تھے اور خلیفہ وقت کے بھتیجے تو انھوں نے یہ اضافہ کیا کہ مسجد نبوی میں محراب مجوف بنایا اور اس کے بعد اس کی نقلیں تمام مسجدوں میں ہونے لگی (حسن المحاضرہ صفحہ ۱۳۵)

غرض محراب اور مینار جو بہ نام صومعہ نامزد ہے بنی امیہ کے اضافات سے ہے جو ملک شام سے تحفہ لائے ہیں اور تمام اہل اسلام میں اس کی تقسیم کی۔ یہاں تک مختصر طور پر صورت اذان اور گلدستہ و مینار و محراب کی آپ نے زیارت فرمائی تفصیلی حالات کچھ آئندہ بھی ظاہر ہوں گے اب دوسری رنگ آمیزیاں ملاحظہ فرمایئے زمانہ کے انقلاب نے کس کس قسم کا انقلاب خاص اس اذان کے متعلق دکھایا ہے

تغیرات اذان

اس اذان کا سلسلہ جس عنوان سے شروع ہوا تھا تا عہد جناب رسالتمآبؐ ایک حالت پر قائم رہا مگر بعد وفات رسالتمآبؐ جیسا کہ اور احکام فرائض سنن میں انقلاب آیا مسئلہ اذان بھی اسی طوفان کی زد میں آ گیا۔

پہلا تغیر

اسی روز شروع ہوا جو اسلامی انقلاب کا پہلا روز ہے یعنی وفات رسول اکرمؐ

کے دو ایک روز قبل یا اسی روز یہ تغیر دیا گیا کہ قاتلان اسود عنسی نے جو بعہد پیغمبر مدعی نبوت ہوا تھا اس کے قتل پر صبح کی اذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ کے بعد یہ اضافہ کیا اشہد ان عبہلہ کذاب۔

مختصر تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ یمن کا بادشاہ مسلمان ہوا تو اس کے ساتھ اور رعایائے یمن بھی اسلام لائے جن میں یہ اسود عنسی بھی شامل تھا اس کا نام عبہلہ بن کعب تھا اور ذوالخمار بھی کہتے ہیں شعبدہ بازی اور کہانت میں ید طولیٰ رکھتا تھا باذان بادشاہ کے مرنے پر جناب رسالتمآبؐ نے ملک یمن کو چند حصوں پر تقسیم کیا اور ہر حصہ پر ایک ایک صحابی کو عامل مقرر کیا اور معاذ بن جبل کو بہ طور سفری مبلغ مقرر کیا کہ ہر جگہ دورہ کریں اور احکام دینی کی تعلیم کرتے رہیں جب آنحضرتؐ علیل ہوئے اور آپ کی ناسازی مزاج کی خبر مشتہر ہوئی تو اس عبہلہ نے ملک یمن میں جہاں اس کی سکونت تھی دعوائے نبوت کیا اور اپنے شعبدہ و کہانت کے زور سے بہت سے لوگوں کو بہکایا یہاں تک کہ قیس بن عبد یغوث بھی جو روسائے نامدار سے تھے اسلام سے منحرف ہو کر اس کا سپہ سالار بنا۔

اسلام کی طرف سے بادشاہ یمن باذان کا بیٹا شہر نام صف آرا ہوا جس میں فتح اسود عنسی کو حاصل ہوئی اور معاذ بن جبل نے فرار میں مصلحت دیکھی مگر ملک یمن سے باہر نہ گئے بلکہ وہیں روپوش ہو گئے۔

آنحضرتؐ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے چند افسروں کو معین کیا اس میں فیروز دیلمی بھی تھے انھوں نے اس ملعون کا قصہ اس کی زوجہ کے ساتھ سازش کر کے تمام کیا اور اسی کے قلعہ پر صبح کی اذان دی گئی جس میں بہ آواز بلند اشہد ان عبہلہ کذاب کی صدا بلند ہوئی۔ اسود عنسی کا تسلط یمن میں تین مہینہ رہا اور اس کے قتل کی خبر حضرتؐ نے آخر ایام حیات میں بذریعہ وحی دی تھی مگر ظاہری خبر وکی

فتح و فیروزی کی زمانہ خلافت خلیفہ اول میں آئی جو ایک طرح کا مبارک شگون سمجھا گیا۔

یہ تغیر اذان کا محض صبح کے وقت ہوا تھا جو درحقیقت کوئی تغیر نہ تھا بلکہ ایک نعرہ خوشی تھا۔ اسود علسی کے ساتھی اور پیرو قلعہ کی حفاظت سے دست بردار ہوئے اور یہ قلعہ مع لواحق و توابع ممالک محروسہ اسلام میں داخل ہوا۔

عہد خلافت خلیفہ اوّل

اس خلافت کا زمانہ چونکہ بہت ہی قلیل ہے کہ دو ڈھائی برس میں طے ہو گیا لہٰذا احکام شریعت پر اس کا اثر کم پڑا۔ تاہم اذان ایسی چیز تھی کہ اس کے اثر سے خالی نہ رہی۔

دوسرا تغیر

تا عہد رسول اللہ یہ قاعدہ تھا کہ بلال جب اذان سے فارغ ہوتے تو خدمت رسول اللہ صلعم میں آ کر عرض کرتے۔ السلام علیک یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ الصلوٰۃ یرحمک اللہ مگر حضرت ابوبکر کے عہد میں یہ قاعدہ اس صورت سے بدلا کہ موذن بعد اذان آ کر عرض کرنے لگا السلام علیک یا خلیفہ رسول اللہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے یہ بھی بدعت ہے کہ درمیان اذان و اقامت کے موذن دروازہ پر آئے اور کہے حی علی الصلوٰۃ اور بعض علماء قائل ہیں کہ یہ عمل کا احداث بعہد معاویہ ہو

تیسرا تغیر

اسی عہد خلافت میں یہ ہوا کہ مطابق قانون اسلام جس بستی میں اذان سنائی دے

یہ اذان اس کے اسلام کی علامت تھی اس بستی پر اسلام کا حکم طاری ہو جاتا۔ بستی والوں کی جان و مال اُن کے اہل و عیال سب امان میں رہتے اور اس سے جنگ نہ کی جاتی مگر خالد بن ولید نے جو خلیفہ اول کے سپہ سالار تھے اس قانون کو توڑ دیا جس بستی سے اذان سن چکے تھے اور جن مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھ چکے تھے اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے ان مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔

تفصیل اس کی با اجمال یہ ہے کہ خلافت خلیفہ اول کے دسویں روز اس بنیاد پر تمام عرب میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی کہ جب خاندان رسالت سے خلافت نکال لی گئی ہے تو ہم لوگوں کے رہتے یہ کیونکر خلیفہ ہو سکتے ہیں حالانکہ ہمارا خاندان ہمیشہ معزز رہتا چلا آیا ہے اسی بنیاد پر اکثر قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور اطاعت خلیفہ اول سے منحرف ہو گئے۔

اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے خالد بن ولید نامزد ہوئے خلیفہ نے ان کو وصیت کی کہ جہاں اذان کی آواز سننا وہاں کے لوگوں کو امان دینا ان سے معترض نہ ہونا مگر خالد بن ولید نے ہزاروں مسلمانوں کو قتل اور اُن کی عورتوں بچوں کو قید کیا بہتوں کو زندہ جلوا دیا تاکہ رعب سلطنت پوری طرح بیٹھ جائے۔

حکم اذان کی پابندی میں بالخصوص مالک بن نویرہ کا نام لیا جاتا ہے جس کے متعلق ابو قتادہ انصاری اور عبداللہ بن عمر نے خود گواہی دی تھی کہ میں نے ان لوگوں کو اذان دیتے سنا ہے مگر خالد چونکہ ابتداء سے زوجہ مالک بن نویرہ پر عاشق تھا ان سب گواہوں کو بالائے طاق رکھ کر مالک کی گردن زدنی کا حکم دیدیا اور اسی شب کو مالک بن نویرہ کی زوجہ پر متصرف ہوا جو کسی طرح جائز نہ تھا۔ یہ واقعہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا بہت افسوسناک واقعہ ہے اور

اُن کے دامن پر ایسا بدنما دھبہ ہے جو مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ حضرت عمر نے بخیال حقانیت خواہ بلحاظ دوستی مالک بن نویرہ' بہت کچھ زور مارا کہ خلیفہ اول کسی طرح مالک کے قصاص میں خالد کو قتل کریں یا جرم زنا کی بنا پر سنگسار کریں یا بلحاظ مصالح ملکی موقوفی پر قناعت کریں مگر خلیفہ اول نے ایک نہ سنی اور خالد بن ولید کو ترقی پر ترقی دیتے رہے یہاں تک کہ خلیفہ دومؓ کی خلافت کا زمانہ آیا آپ نے پہلا کام یہی کیا کہ خالد کو سپہ سالاری ملک روم و شام سے معزول کیا اور جن قیدیوں کو خالد اسیر کر لائے تھے واپس کیا یہاں تک کہ وہ عورتیں جنھیں لونڈیوں کی طرح مسلمانوں میں تقسیم کردیا گیا تھا اُن عورتوں کو بھی ایک ایک کرکے اُن کے والدین اور سابق شوہروں کو واپس کیا گیا۔

چوتھا تغیر

یہ ہے کہ اس دور خلافت سے بروایت کنز العمال الصلوۃ خیر من النوم کی ابتدا ہوئی مگر اس روایت میں حضرت ابوبکر کا کوئی ذکر نہیں لہٰذا اس کی تفصیل دور خلافت دوم میں مذکور ہوگی۔

دورِ خلافت دوم

یہ دور جس طرح بہت سے عجیب و غریب واقعات کے لحاظ سے یادگار مانا جاتا ہے اسی طرح ترمیم و تنسیخ احکام شریعت نبوی میں بھی خصوصی طور پر مشہور روزگار ہے کیونکہ ابواب فقہ سے کوئی باب ایسا نہ ملے گا جس میں حضرت فاروق کی رائے نے بمقابلہ حکم خدا و رسولؐ اثر نہ کیا ہو خصوصاً اذان میں تو وہ بدعتیں ہوئیں کہ آج تک یادگار ہیں۔

پانچواں تغیر

چند برس پیشتر سے جاری تھا کہ موذن بعد اذان دربار خلافت میں آ کر السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح عرض کرتا تھا اس میں حضرت فاروق نے لقب امیر المومنین اختیار کرنے کے بعد یہ اضافہ کیا کہ یرحمک اللہ بھی کہا کرے مگر بعض کہتے ہیں کہ یرحمک اللہ کا اضافہ حضرت عثمان کے زمانہ میں ہوا اس وقت سے یہ دستور خلفائے بنی امیہ و بنی عباس تک جاری رہا۔

یہاں ایک دوسری روایت بھی ملتی ہے جو بالکل اس کے مناقض ہے در المناحبث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر جب وارد مکہ ہوئے تو موذن نے آ کر کہا الصلوۃ یا امیر المومنین حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح جس پر خلیفہ نے فرمایا "وائے ہو تجھ پر کیا تو مجنون ہے؟ کیا جو تو نے اذان دی تھی وہ اس کے لئے کافی نہیں تھی" اس سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ یہ فعل مسنون نہیں۔ (تحقیق عجیب صہ ۶)

تیسری روایت یہ بھی ہے کہ السلام یا امیر المومنین یرحمک اللہ کی ایجاد معاویہ نے کی مگر مذکورہ بالا روایات کچھ زیادہ موثق سمجھی جاتی ہیں۔

چھٹا تغیر

یہ ہوا کہ حی علی خیر العمل کا کلمہ اذان سے نکال دیا گیا چنانچہ علامہ شمس اصفہانی تشئید القواعد میں لکھتے ہیں۔

"وانہ صعد المنبر وقال ایہا الناس ثلث کن فی عہد رسول اللہ وانا انہی عنہن واحرمہن واعاقب علیہن وہی متعۃ النساء ومتعۃ الحج وحی علی خیر العمل"

خلیفۂ دوم نے بالائے منبر فرمایا تین باتیں عہد رسول اللہؐ میں جاری تھیں
میں ان کو حرام کرتا ہوں جو ان باتوں کو کرے گا میں اسے سخت سزا دوں گا
ایک متعۃ النساء، دوسرے متعۃ الحج، تیسرے حی علی خیر العمل۔

اس حکم کے بعد اگرچہ تمام اسلامی رعایا نے اذان میں حی علی خیر العمل کہنا ترک کر دیا تھا مگر خود حضرت عمر کے بڑے صاحبزادے عبداللہ بن عمر اکثر اوقات اذان میں یہ جملہ کہہ دیا کرتے تھے مگر کتابوں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کہ عبداللہ کی یہ جرأت اپنے باپ حضرت عمر کے زمانہ میں تھی یا حضرت عمر کے مرنے کے بعد انھوں نے ایسی جرأت کی جبکہ خوف کا سبب باقی نہ تھا۔

اور دیگر صحابہ و تابعین میں بقول علامہ ابن حزم، ابو امامہ بن سہل بن حنیف کا بھی نام لیا جاتا ہے اور بروایت سیرۃ حلبیہ جناب امام زین العابدینؑ بھی اذان میں حی علی خیر العمل فرماتے تھے چند روایتوں کا مجموعہ مولوی عبدالحی صاحب نے بھی بصورت سوال و جواب یہاں لکھا ہے۔

(۱) بیہقی نے بلال سے روایت کی ہے کہ وہ صبح کی اذان میں حی علی خیر العمل کہتے تھے تو حضرت نے حکم دیا اس کی جگہ الصلوۃ خیر من النوم کہا کرو۔

(۲) یہی روایت بجنسہٖ ابو الشیخ اصبہانی نے بھی کتاب الاذان میں نقل کی ہے۔

(۳) امام بیہقی عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل بھی کبھی کہتے تھے۔

(۴) یہی روایت امام محمد نے بھی موطا میں نقل کی ہے۔

یہ تمام روایتیں دلالت کرتی ہیں اس پر کہ اس جملہ حی علی خیر العمل کی کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہے لہذا امام نووی کا یہ کہنا کہ اذان میں حی علی خیر العمل کہنا مکروہ ہے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

اس کے جواب میں مولوی عبدالحی صاحب فرماتے ہیں کہ اذان کی روایتیں صحاح ستہ اور سنن و مسانید میں موجود ہیں مگر کسی نے اس جملہ حی علی خیر العمل کو نہیں لکھا بلال کے اذان میں یہ فقرہ بھی ہوتا تو جس طرح الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ روایتوں میں ملتا ہے حی علی خیر العمل کا اضافہ بھی ملتا اور علامہ بیہقی نے لکھا ہے کہ کوئی روایت نہیں بتاتی کہ پیغمبر خدا نے بلال یا ابو محذورہ کو اذان میں حی علی خیر العمل کہنے کا حکم دیا ہو اور ابن عمر کے متعلق جو منقول ہے کہ وہ اذان میں حی علی خیر العمل کہتے تھے تو وہ برابر پابندی سے نہیں کہتے تھے بلکہ کبھی کبھی کہہ دیا کرتے تھے۔ دوسرے کسی بھی صحابی کے متعلق نہیں ملتا کہ اس نے اذان میں حی علی خیر العمل کہا مزید براں یہ کہ ہم حی علی خیر العمل کہنے کو حرام نہیں جانتے بلکہ مکروہ جانتے ہیں۔ (تحقیق عجیب صفحہ)

یہ ایسا استدلال ہے جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے کیونکہ حی علی خیر العمل والی روایات کا کسی کتاب میں درج ہونا ہی تعجب خیز ہے نہ کہ عدم اندراج۔ علماء و محدثین کو اسکی اجازت کب تھی کہ وہ اس قسم کی روایتیں اپنی کتابوں میں درج کریں۔ صحاح ستہ اور سنن و مسانید کی حالت اب کسی پر مخفی نہیں کہ ان کتابوں میں عمداً صحیح روایتیں نکالکر ان کی جگہ صدہا غلط اور وضعی روایتیں بھر دی گئی ہیں اور اسی واسطے ان کا نام صحیح رکھ دیا گیا ہے تاکہ آنے والی نسلیں بلا مزید تحقیقات قبول کر لیں دوسرے یہ کہ جن کتابوں میں یہ روایتیں موجود ہیں وہ بھی تو سنن و مسانید میں داخل ہیں جیسے سنن بیہقی اور ابی الشیخ کی کتاب الاذان اور امام محمد کی موطا جن سے آپ نے یہ سب روایتیں نقل کی ہیں۔ اس کے علاوہ تشئید القواعد شمس الدین اصفہانی۔ شرح تجرید علامہ قوشجی تلویح شرح صحیح بخاری اور انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون میں بھی حی علی خیر العمل والی روایتیں موجود ہیں اور یہ

سب وہ کتابیں ہیں جن کے مقابلہ میں صحاح ستہ کی ہزاروں روایتیں رد کردی جاتی ہیں پھر یہ روایتیں کیوں نہیں قبول کی جاتیں۔

تیسرے یہ کہ جب حی علی خیر العمل کا اذان میں کہا جانا اتنی کتابوں سے ثابت ہے تو یہ کہنا کہ "اگر بلال کی اذان میں یہ اضافہ ہوتا تو جس طرح الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ روایتوں میں ملتا ہے حی علی خیر العمل کا اضافہ بھی ملتا" کیونکر درست رہ سکتا ہے حالانکہ کنز العمال میں صاف صاف یہ روایت موجود ہے عن بلال کان یوذن بالصبح فیقول حی علی خیر العمل اور کتاب الغایہ شرح الہدایہ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ چوتھے یہ کہ آپ بیہقی کی روایت بھی نقل کرتے ہیں اور پھر یہ بھی کہ اس کی روایت ثابت نہیں۔ نہیں معلوم دونوں میں کون سا جملہ صحیح ہے۔ پانچویں یہ کہ جب کہ اتنی سی روایتوں میں صاف صاف موجود ہے کہ عبداللہ بن عمر کبھی کبھی اذان میں یہ جملہ فرمایا کرتے تھے تو آپ کا یہ لکھنا کہ ابن عمر نے کبھی نہ کہا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

چھٹے یہ بھی کہنا صحیح نہیں کہ دوسرے صحابی سے منقول نہیں کیونکہ بروایت ابن حزم ابوامامہ بھی اذان میں حی علی خیر العمل کہا کرتے جو صحابی تھے اور خود بلال نے یہ فقرہ کہا اور حضرت امام زین العابدینؑ بھی حی علی خیر العمل کہتے تھے جس کی نسبت فرمایا کرتے ہیں اذان اول ہے یہ سب روایتیں آپ ہی کے یہاں کی ہیں نہ کسی دوسرے فریق کی ہیں۔ اگرچہ امام زین العابدینؑ صحابی نہ تھے مگر تابعین سے تو ہیں جن کا قول مقبول ہے۔

ساتویں یہ کہ حرام نہ جاننا اور مکروہ جاننا بھی بے قاعدہ ہے کیونکہ حرمت کے متعلق تو آپ کہہ بھی سکتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حی علی خیر العمل سے ممانعت کی تھی بخلاف کراہت کے اس کی کوئی دلیل آپ نہیں لا سکتے نہ ارشاد الٰہی کوئی ثبوت

یں پیش کر سکتے ہیں نہ حدیث رسولؐ نہ کسی صحابیؓ کا قول، صرف نووی کے قول سے کیا ہو سکتا ہے جو ایک معمولی درجہ کے عالم تھے۔

اگرچہ یہ مسئلہ اس قبیل سے ہے کہ فریقین کے درمیان اس پر بڑی زبردست مناظرانہ بحثیں ہوئیں اور آگے چل کر معلوم ہو گا کہ بحیثیت عمل بھی اس جملہ پر بہت سی خونریزیاں ہوئیں کیونکہ یہ جملہ خاص فرقہ ہونے کی علامت قرار پائی ہو مگر ہم کو بحیثیت مورخ یہاں اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ اس اختلاف فریقین کی بنیاد اسی وقت سے قرار پائی جب کہ خلیفہ دوئم نے فرمایا یہ تین چیزیں عہد رسولؐ میں جاری تھیں اب میں ان کو حرام کرتا ہوں متعۃ النساء، متعۃ الحج، حی علی خیر العمل۔

اس جملہ کی خوبی اور معنی خیزی اس وجہ اور سبب کی طرف بھی نشاندہی کرتی ہے جس کی بنا پر خلیفہ دوئم اس جملہ کے دشمن ہو گئے اور اس کی عام مناہی کر دی در حقیقت وہ سیاسی مصالح تھے جن کی بنا پر حضرت عمر نے اس جملہ حی علی خیر العمل پر پابندی لگانا ضروری سمجھا کیونکہ خم غدیر میں جب رسول اللہؐ نے حضرت علی ابن ابیطالبؑ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تو بحکم رسولؐ بلال موذن رسولؐ نے اسی جملہ سے سب کو ندا دی تھی کہ حی علی خیر العمل بہترین عمل پر آمادہ ہو جاؤ (دیکھیے حبیب السیر) جس سے معلوم ہوا اذان میں یہ فقرہ اس واقعہ کا یاد دلانے والا ہے جس کے مٹانے کی کوشش اس گروہ فریق مخالف پر لازم ہے اسی وجہ سے اس جملہ کی تبدیلی ایک اور جملہ سے کی گئی جس سے وہ جملہ بالکل محو و سہو ہو جائے۔

ساتواں تغیر

یہ ہے کہ حضرت عمر نے صبح کی اذان میں کلمہ الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا جیسا کہ امام مالک کی موطا میں یہ روایت ہے کہ موذن حضرت عمر کو نماز کے لئے بلانے آیا اور ان کو سوتا ہوا پایا کہا الصلوٰۃ خیر من النوم اس پر حضرت عمر نے حکم دیا کہ اس جملہ کو

صبح کی اذان میں داخل کردو۔ (تحقیق عجیب ص ۲۰)

اسی روایت کو شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی مذہب فاروقی میں داخل کیا ہے مشکوۃ وغیرہ میں بھی یہی روایت لی گئی ہے یہانتک کہ خود حضرت عمر نے اس کو لفظ بدعت و احداثات سے بھی یاد کیا ہے۔ کنز العمال میں اس کے بارے میں متعدد روایتیں ہیں۔

"ابن جریج سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ عمر ابن حفص نے بیان کیا کہ سب سے پہلے سعد نے حضرت عمر کے عہد خلافت میں الصلوۃ خیر من النوم کہا حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے سعد نے کہنا چھوڑ دیا کیونکہ بلال نے کبھی بزمانہ عمر اذان نہیں کہی تھی"

"ابن جریج سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مجھ سے مسلم نے بیان کیا کہ ایک شخص نے طاؤس سے پوچھا الصلوۃ خیر من النوم کی کب سے ابتدا ہوئی طاؤس نے کہا بزمانہ پیغمبر تو ہرگز یہ جملہ نہیں کہا گیا مگر بزمانہ ابوبکر ایک شخص نے جو موذن نہ تھا اس نے یہ جملہ کہا بلال نے سیکھ لیا اور اپنی اذان میں کہنا شروع کیا۔ ابوبکر زیادہ دن نہ جیے جب عمر خلیفہ ہوئے تو کہا کاش ہم بلال کو اس جملے سے روک سکتے جو ایجاد ہوا مگر شاید حضرت عمر بھول گئے اور بلال کو منع کرنا یاد نہ رہا جس کے بعد سے یہ جملہ آج تک جاری ہے۔"

یہ روایتیں صرف اس غرض سے بنائی گئی ہیں کہ کسی طرح الصلوۃ خیر من النوم کہنا بلال کے زمانہ سے ثابت ہو جائے اور دنیا یہ یقین کرلے کہ سب سے پہلے بلال ہی نے اذان میں یہ فقرہ کہا چاہے بعد وفات رسول اللہ ہی کیوں نہیں مگر اس مقصد میں کامیابی اسی وجہ سے نہیں ہو سکتی کہ تمام محدثین و مورخین نے بیان کیا ہے کہ بلال نے کسی خلیفہ کے زمانہ میں اذان نہیں کہی لہٰذا اس جملہ کی نسبت بلال کی طرف کیونکر دی جا سکتی ہے

تب اس پر یہ ترقی کی گئی کہ الصلوٰۃ خیر من النوم کی اجازت خود رسول اللہ کی طرف منسوب کردی گئی چنانچہ طبرانی۔ ابو الشیخ ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ وغیرہ اسی مفہوم کی روایتیں بیان کرتے ہیں کہ بلال نے یا سعد نے حضرت پیغمبر خدا کو وقت صبح محو خواب پاکر یہ جملہ کہا جس پر حضرت نے فرمایا یہ اچھا فقرہ ہے اے بلال اسکو اذان میں داخل کردو اسی جملہ سے صاحب قمر الرائق اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ یہ زیادتی مستحب ہے۔

امام نسائی نے جب ان روایتوں میں گڑبڑ دیکھی تو حدیث نکالی کہ ابو محذورہ بیان کرتے تھے ہم جو رسول اللہ کے زمانہ میں اذان دیتے تھے تو صبح کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہا کرتے تھے۔ اور ابو داؤد نے تو یہ روایت پیش کی ہے کہ خود رسول اللہ نے تعلیم دی تھی کہ صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہا جائے۔

ان روایتوں کی ضرورت شاید اس سبب سے پیدا ہوئی کہ بلال والی سابق روایت کو امام بیہقی نے مرسل قرار دیا ہے اور شیخ تقی الدین اس کے راویوں کی بابت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مسلمان نہ تھے تو وہ مجہول ہوئے۔

یہ سب تمہیدیں اگرچہ ایک حد تک مطمئن کرنے والی تھیں کہ اس سند و نسبت سے یہ جملہ بھی اذان میں بحکم رسول اللہ داخل قرار ہو جائے مگر امام مالک والی روایت جو شروع میں لکھی گئی چونکہ ان سب خس و خاشاک پر آتش سوزاں کا کام دیتی تھی اور اس کے مقابلہ میں ان من گھڑت روایتوں کی قلعی کھل جاتی تھی اس لئے عجب طرح کی کھلبلی پیدا ہوئی کیونکہ موطا کی عظمت و جلالت صحاح ستہ سے بھی بڑھ کر ہے نہ اس کو غیر معتمد کہنے کی کوئی ہمت کر سکتا ہے اور نہ اس کی کمزوری ثابت کرنے کے لیے کوئی ترکیب چل سکتی ہے لہٰذا مولوی عبد الحی صاحب فرماتے ہیں:۔

"اگر تمہیں ان روایتوں میں شبہ پیدا ہو کہ یہ امام مالک کی روایت کے معارض

ہیں تو ہم جواب دیں گے کہ حضرت عمر کا یہ حکم ابتدائی حکم نہ تھا بلکہ رسولؐ خدا سے سُن چکے تھے تو اب حضرت عمر کو مکروہ معلوم ہوا کہ یہ جملہ بے موقع کیوں کہا جائے بلکہ اذان میں داخل کر دیا جائے۔ یہی جواب دیا ہے طیبی نے۔

علامہ طیبی نے تین جواب اور دیئے ہیں جن کو مولوی عبدالحی صاحب درست نہیں جانتے۔

ایک یہ کہ شاید عمر کا اس جملہ کو اذان میں داخل کرنے کا حکم منجملہ موافقات کے ہو یعنی ان باتوں سے ہو جن میں اکثر حضرت عمر نے خدا اور رسولؐ سے یا خدا اور رسولؐ نے حضرت عمر سے موافقت کی ہے۔

اس پر مولوی عبدالحی صاحب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جواب مردود ہے کیونکہ توارد میں اتحاد وقت ضروری ہے اور اس روایت میں تو یہ بیان ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں یہ واقعہ پیش آیا کہ موذن نے آکر الصلوٰۃ خیر من النوم کہا پھر توارد کیونکر ہو سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ شاید عمر کو ابو محذورہ کی روایت پہونچی نہ تھی لہٰذا عمر نے اپنے اجتہاد سے حکم دیا مگر بعد کو ان کا اجتہاد اور نص رسول مطابق ہو گیا۔

تیسرے یہ بھی احتمال ہے کہ عمر نے سنا ہو مگر بھول گئے جب نیند میں آکر موذن نے جھنجھوڑا اور یہ جملہ کہا تو عمر کو یاد پڑ گیا کہ یہ جملہ تو جزو اذان تھا لہٰذا حکم دیا کہ داخل اذان کیا جائے۔ طیبی کے ان دونوں جوابوں پر مولوی عبدالحی صاحب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ دونوں احتمال بھی بعید ہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ یہ جملہ عہد نبوی میں متروک ہو چکا تھا اور بعد وفات پیغمبرؐ بھی یہ جملہ متروک رہا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

مولوی عبدالحی صاحب کی یہ عبارت کیا قدر و قیمت رکھتی ہے یہ مذکورہ بالا روایات سے ظاہر ہے کیونکہ ابھی کنز العمال کی روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ خود

حضرت عمر نے اس کو بدعت کا لقب دیا تھا اور طاؤس والی روایت میں تو صاف صاف مرقوم ہے کہ عہد رسول اللہؐ میں کسی نے یہ جملہ نہیں سنا تھا۔

یہی سبب ہے کہ صحیح مسلم میں جو روایت اذان مسنون کی خود حضرت عمر سے منقول ہے اس میں اس جملہ کا وجود نہیں بلکہ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ جملہ اذان مسنون میں داخل ہو بلکہ تلویح شرح صحیح بخاری میں محمد بن حسن کا قول لکھا ہے کہ تثویب (یعنی الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا) دراصل اذان و اقامت کے درمیان تھا مگر لوگوں نے یہ بدعت کی کہ داخل اذان کر دیا کیونکہ تثویب (یعنی الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا) دراصل اذان و اقامت کے درمیان تھا مگر لوگوں نے یہ بدعت کی کہ داخل اذان کر دیا کیونکہ تثویب قدیم یہ تھا کہ بعد اذان الصلوٰۃ خیر من النوم کہا جائے مگر لوگوں نے اب اس کو داخل اذان کر دیا اور موطا محمد بن حسن میں بھی یہی مضمون ہے کہ اصل میں اذان سے فارغ ہونے کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کی ندا دی جاتی تھی لوگوں کو جگانے کے لئے نہ یہ کہ اذان میں داخل کی جاتی تھی۔

اس مضمون کی تین روایتیں مولوی عبد الحی صاحب نے بھی دوسری کتابوں سے جمع کی ہیں اور ان کو قبول کیا ہے۔

(۱) نہایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ مصنف نے تثویب قدیم کو نہیں بیان کیا اور اصل میں تثویب یہ ہے کہ بعد اذان صبح کہیں الصلوٰۃ خیر من النوم دو مرتبہ۔

(۲) محیط میں ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ الصلوٰۃ خیر من النوم کو بعد اذان کہیں نہ اصل اذان میں اور یہی مسلک ابو بکر بن فضل بخاری کا ہے۔

(۳) کافی میں ہے کہ تثویب قدیم یہ تھا کہ اذان کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہا جائے۔ (تحقیق عجیب صہ ۳)

مولوی عبد الحی صاحب نے شرح وقایہ میں بھی امام محمد کا ایک قول ایسا ہی نقل کیا ہے (شرح وقایہ صہ ۱۶۵)

ان روایتوں پر اگرچہ آج کل عمل نہیں ہے مگر ان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ اذان کا جزو نہیں نہ پیغمبر نے اذان میں اس جملہ کا حکم دیا تھا بلکہ جس طرح حضرت عمر نے اپنے عہد میں اپنی مرضی و خواہش سے اس کو جزو اذان بنانا چاہا تھا اسی طرح امام ابو حنیفہ نے اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اس کا اجرا بعد اذان رکھا تاکہ اذان بھی اپنی حد پر کچھ باقی رہے اور حضرت عمر کا حکم بھی معطل نہ ہو ان کے بعد دیگر علماء نے اسی درمیانی راہ کو پسند کیا۔

ہاں جن مقدس علماء نے اس کی بڑی کوشش کی ہے کہ الصلوۃ خیر من النوم کو کسی طرح سنت نبوی قرار دیں جن میں مولوی عبد الحی صاحب بھی داخل ہیں وہ ایسی مشکل میں گرفتار ہوگئے جس سے نجات کی کوئی صورت نہیں۔ انھوں نے نہ خدا و رسول کو راضی کیا کیونکہ خدا اور رسول نے اسی جملہ کو اذان میں رکھا ہی نہیں اور نہ خلیفہ کو جو اس قسم کے دینی اختیارات رکھتے ہی نہ تھے انھوں نے اپنی مرضی سے اس جملہ کی ایجاد کی تھی اور نہایت آزادی سے اس کو بدعت بھی فرماتے تھے جیسا کہ تراویح کے بارے میں بھی نعمۃ البدعۃ کا لقب دے چکے ہیں نہ انھوں نے اپنے امام اعظم کو راضی کیا جو اس کو بعد اذان مناسب سمجھتے ہیں نہ کہ جزو اذان قرار دیتے ہیں۔ البتہ متاخرین علماء کی حضرت عمر سے حد سے بڑھی ہوئی یہ عقیدت ہے کہ انھوں نے حضرت عمر کے مقابلہ میں اپنے امام اعظم کے فتوے کو کوئی اہمیت نہ دی نہ اُسے قابل اعتنا سمجھا امام اعظم تو اس جملہ کو اذان سے خارج قرار دیتے ہیں اور اُن کا فتوی یہ ہے کہ اذان ختم کرنے کے بعد یہ فقرہ کہنا چاہیئے مگر متاخرین علماء نے حضرت عمر کی تاسی کرتے ہوئے اس جملہ کو داخل اذان قرار دے دیا

اور اس کے لئے یہ کارروائی کی کہ خود امام اعظم کے بعض فتوے بھی اس بارے میں نکال رکھے تاکہ یہ کہنے کو رہے کہ ہم کسی طرح امام اعظم کی مخالفت نہیں کرتے۔

مگر سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ جس طرح امام ابوحنیفہ کے متضاد فتوے اس بارے میں پیش کئے جاتے ہیں اسی طرح خلیفہ دوئم کے بھی متضاد حکم اس بارے میں موجود ہیں ہم اوپر کنز العمال روایتیں ذکر کر چکے ہیں ان روایتوں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ دوئم نے اس کو منع کرنا چاہا مگر شاید یہیں تک پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں ایک حکم پر عمل کیا گیا اور دوسرے حکم کو ترک کر دیا گیا۔

اسی تناقض و تضاد کے حکم میں وہ سب روایتیں بھی داخل ہیں جن میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ کسی طرح اس سلسلے کو رسول اللہ تک پہونچا دیا جائے جو ایک امر ناممکن کی کوشش تھی۔

یہی سبب ہے کہ آگے چل کر یہی دونوں جملے "حی علی خیر العمل" اور "الصلوٰۃ خیر من النوم" بڑے زبردست سیاسی جملے قرار پائے جس سے صدہا نہیں بلکہ ہزاروں بنی نوع انسان کا خون ہوا جس کی تفصیل آئندہ مذکور ہو گی۔

یہاں سے مولوی عبدالحی صاحب کا وہ شبہ دفع ہو گیا جو حی علی خیر العمل کے متعلق وارد کیا تھا کہ صحاح و مسانید و سنن میں یہ جملہ کیوں نہیں درج ہوا۔ کیونکہ یہی اعتراض اس جملہ الصلوٰۃ خیر من النوم پر بھی وارد ہوتا ہے کہ یہ بھی صحیح مسلم کی اذان میں مذکور نہیں حالانکہ صحیح مسلم میں اذان کے متعلق جو روایت مذکور ہے وہ خود حضرت عمر کی ہے اور اس میں تصریح ہے کہ شروع ہی سے اس جملہ کے موجود و مروج ہیں۔

تیسرا دور خلافت

جس طرح حضرت عثمان کا عہد خلافت تمام اصول سیاسۃ و قواعد تمدن سلطنت عرب میں بدنام ہے اسی طرح احکام شریعت اور قوانین ملت میں بھی مشہور عالم ہے۔ پھر یہ اذان کیونکر اس عہد میں انقلاب سے محفوظ رہ سکتی تھی۔

آٹھواں تغیر

یہ ہوا کہ حضرت عثمان نے ان تغیرات کو ناکافی سمجھ کر یہ اضافہ کیا کہ نماز جمعہ کیلیے جو قدیم الایام سے ایک اذان جاری تھی اس پر دوسری اذان اور بڑھا دی جو اذان اول کے نام سے تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ اذان بلا اختلاف حضرت عثمان کی اولیات میں شمار کی گئی ہے اس کے متعلق ہماری نظر سے ابھی تک کوئی ایسی روایت نہیں گذری جس میں یہ دکھایا گیا ہو کہ عہد رسول میں بھی کبھی دوسری اذان دی گئی ہو جیسا کہ سابق والے تغیرات میں اس قسم کے اشتباہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور متناقض روایتیں بنائی گئی ہیں جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایک ہی مضمون والی روایت صحیح ہوگی اور دوسری وضعی حضرت عثمان کے عہد خلافت کے ایسے واقعات اس کثرت سے ہیں کہ بات بنانے والے بھی تھک گئے۔ بایں ہمہ یہ اذان بھی قبول کر لی گئی اور احکام فقہیہ میں اس کا حکم نافذ کر دیا گیا چنانچہ ھدایہ اور شرح وقایہ وغیرہ کتب فقہیہ حنفیہ میں بتصریح تمام اس کے احکام مذکور ہیں جن پر عمل کیا جاتا ہے اور وہ احکام تمام مسلمانوں میں جاری و ساری ہیں اگرچہ علماء اہلحدیث اس کو ناجائز تصور کریں۔

مولوی عبدالحی صاحب اپنے مذہب کی ایک مستند کتاب سنن ابوداؤد سے شرح وقایہ میں لکھتے ہیں۔

عہد رسول اللہ سے تا زمانہ شیخین اذان جمعہ کا یہ قاعدہ تھا کہ امام جب منبر پر بغرض خطبہ جائے اس وقت اذان شروع کی جائے مگر عثمان نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک دوسری اذان ایجاد کی جو زوراء (مدینہ کے ایک بازار کا نام) میں دی جاتی۔ دوسری روایت بھی اسی مضمون کی ہے کہ جب رسول اللہ صلعم منبر پر بیٹھتے تو دروازہ مسجد پر ایک ہی اذان دی جاتی اور زمانہ شیخین تک یہی دستور جاری رہا۔ تیسری روایت میں بھی یہی مضمون ہے مگر اس قدر فرق ہے کہ حضرتؐ کے زمانہ میں دروازہ مسجد پر نہیں اذان دی جاتی تھی بلکہ مینار پر اور عثمان نے اپنے زمانہ میں ایک دوسری اذان کی ایجاد کی جو بمقام زوراء دی جاتی۔ دوسری اذان کا سلسلہ ہشام بن عبدالملک تک یوں ہی جاری رہا مگر ہشام نے اپنے زمانہ میں اس میں یہ تبدیلی کی کہ بازار مدینہ والی موقوف کر کے اس کو مسجد کے مینار پر قائم کیا جس کا موذن ایک ہی شخص ہوتا تھا اور جو دوسری اذان عہد رسول اللہ سے جاری تھی اس میں یہ اضافہ کیا کہ پہلے تین آدمی مل کر اذان دیتے تھے اب بہت سے موذنوں کو اس میں شامل کر دیا (شرح وقایہ ص ۱۲۷)

مگر کتاب ھدایہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اذانوں کو جمع کثیر کے ساتھ ہونا چاہیئے بلا تفریق اس کے کہ کس اذان میں کتنی تعداد ہونی چاہیئے۔ کتاب ھدایہ کی لفظیں ہیں۔

واذا اذن المؤذنون الاذان الاول	جب کہ اذان دینے والے پہلی اذان
واذا صعد الامام المنبر وجلس	اور جب امام منبر پر جا کر بیٹھ جائے

اذن المؤذنون بین یدی المنبر (هدایہ ص۱۵۱)	اذان دینے والے منبر کے سامنے اذان دیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اذانوں کو متعدد موذنین مل کر انجام دیں یہ اختراع شاید امام اعظم کا اجتہاد ہے ورنہ ہشام نے تو صرف دوسری ہی اذان میں متعدد موذنین کا اضافہ کیا تھا اسی وجہ سے علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ (مجمع والی) اذان جو ہمارے دیار میں اذان جوق کے نام سے مشہور ہے اس کے باب میں کوئی نص نہیں ملتی۔ شافعی لکھتے ہیں اس مجمع والی اذان کو خطیب کے روبرو ہونا چاہیئے۔ اس کے استحباب و کراہت میں بھی اختلاف کیا گیا ہے صاحب ہدایہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ مکروہ نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ خطیب کے روبرو والی اذان بھی بدعت حسنہ ہوگی۔

اب دوسری اذان کے بارے میں سنئے جو عہد رسول کی بھی ایک اذان ہے اس پر مولوی عبدالحی صاحب حاشیہ لکھتے ہیں۔

(۱) خطبہ کا بالائے منبر ہونا سنت قدیم ہے مگر یہ بدعت قبیحہ ہے جو بطور عادت جاری ہے کہ خطیب پہلے خطبہ کے بعد منبر کے دوسرے زینہ پر آجاتا ہے پھر اچک کے [1] اوپر چڑھتا ہے جس کی کوئی اصل نہیں بلکہ بدعت ہے۔

(۲) امام کا منبر پر چڑھتے وقت سلام کرنا بھی بدعت ہے۔ مگر بعض احادیث میں یہ حکم وارد ہوا ہے جن کے متعلق زیلعی وغیرہ نے بہ تفصیل لکھا ہے کہ ضعیف ہیں۔

---

[1] یہاں پر وہ روایت یاد آجاتی ہے جو اکثر کتب تفاسیر و تواریخ میں موجود ہے کہ پیغمبر خدا نے خواب میں دیکھا تھا کچھ بندر چڑھتے اور کودتے ہیں جس کی تعبیر تسلط بنی امیہ کی گئی لہذا جو لوگ اس قسم کی حرکتیں بالائے منبر کرتے ہیں انھیں لوگوں کے پیرو ہیں جن کے بارے میں وہ خواب دیکھا گیا۔

(۳) امام ابو حنیفہ نے خطبہ کو فارسی میں[1] پڑھنا جائز قرار دیا ہے مگر اولیٰ ترک ہے بسبب مخالفت رسول اللہؐ کے۔

(۴) مدینہ منورہ میں یہ بدعت جاری ہے کہ خطیب دوسرے خطبہ میں صلوات کہتے وقت دائیں بائیں منھ پھیرتے ہیں۔

(۵) بعض خطیب یہ بھی کرتے ہیں کہ خطبہ میں وارض عن عمی نبیک الحمزۃ والعباس (خداوندا اپنے پیغمبر کے دونوں چچا حمزہ اور حضرت عباس سے راضی ہو) پڑھاتے ہیں جو خطائے فاحش ہے۔

(۶) یہ بدعت بھی کرتے ہیں کہ جب خطیب رسول اللہؐ کا یا اصحابہ کا نام لیتا ہے تو موذن صحابہ کے حق میں رضی اللہ عنہم کا غل مچاتے ہیں جو محض بدعت قبیحہ ہے۔

(۷) یہ بدعت بھی جاری ہے کہ خطبہ ثانیہ میں یا درمیان دونوں خطبوں کے یا خطبہ اور نماز جمعہ کے درمیان نمازیں پڑھتے ہیں جو مکروہ ہے اور خطیب کو اس سے منع کرنا لازم ہے۔

(۸) امام کے خطبہ شروع کرنے سے لے کر نماز تمام ہونے تک کسی قسم کا کلام کرنا مکروہ ہے دینی باتیں ہوں یا دنیاوی یہاں تک کہ اذان ثانی کی اجابت یا دعاء وسیلہ کا پڑھنا بھی مکروہ ہے۔

مولوی عبدالحی صاحب نے اس آخری بدعت سے اس بنیاد پر اختلاف کیا ہے کہ معاویہ سے اس فعل کا ہونا ثابت ہے۔ (شرح ہدایہ محشی ص۵۲ شرح وقایہ ص۲۷)

---

[1] تعجب ہے کہ فقہ حنفی کی رو سے اللہ اکبر کا ترجمہ فارسی یا کسی بھی زبان میں کرکے نماز میں کہنا جائز ہے اسی طرح نماز کے دوسرے اذکار کا۔ تو مولوی صاحب خطبہ کا ترجمہ دوسری زبان میں کرکے پڑھنے کو کیوں منع کرتے ہیں۔

یہاں پر دو بدعتیں شرح وقایہ سے بھی لکھتا ہوں جو مولوی عبد الحی صاحب کے حاشیوں سے آراستہ ہو کر چھپی ہے تاکہ عشرہ کی تعداد پوری ہو جائے۔

(۹) سنت یہ تھا کہ لوگ خطیب کے روبرو بیٹھیں خواہ وہ داہنی طرف ہو یا بائیں مگر رسم یہ جاری ہو گئی ہے کہ لوگ قبلہ رو بیٹھتے ہیں۔

(۱۰) خطبہ میں عصا پر تکیہ کرنا سنت ہے مگر اس زمانہ کے خطیبوں نے یہ قاعدہ نکالا ہے کہ جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح خطیب خطبہ کہتے وقت ہاتھ باندھ لیتے ہیں حالانکہ چاہیئے کہ اگر عصا وغیرہ ہاتھ میں نہ ہو تو دونوں ہاتھ کھلے رہیں۔ (شرح وقایہ ص ۲۷۱)

(۱۱) یہ بھی بدعت ہے جو اکثر شہروں میں جاری ہے کہ دونوں اذان کے درمیان کہتے ہیں الصلوٰۃ الصلوٰۃ سنۃ رسول اللہ یہ جملہ استحسان متقدمین و متاخرین دونوں سے خارج ہے (شرح وقایہ ص۲۶۶)

یہ کل عبارتیں مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی کے رسائل و حواشی سے لی گئی ہیں۔

ان بدعتوں کے دیکھنے سے اچھی طرح اس حدیث کی تصدیق ہو جاتی ہے جو حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے کل بدعۃ ضلالۃ کیونکہ آپ نے دیکھا حضرت عثمان نے ایک بدعت قائم کی تھی کہ دوسری اذان دلوائی اب ان کے پیرووں نے کس قدر بدعتوں کی بھرمار کر دی ہے۔

بہ نیم بیضہ کہ سلطاں ستم روا دارد زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ

یہی سبب ہے کہ پیغمبر اسلام نے بدعتوں کے بارے میں اس قدر تاکید فرمائی کہ خبردار خبردار تم کوئی بدعت نہ کرنا کہ ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے مگر حضرت کے بعد والے فرمانرواؤں نے اس کا کچھ خیال نہ کیا اور اپنے دل سے ہزاروں باتیں

اس قسم کی پیدا کرلیں جو بظاہر اچھی معلوم ہوتی ہیں مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شخص نے نیا نیا رواج قائم کرنا شروع کر دیا جس سے اصلی سنت پیغمبر (جیسا کہ مضمون حدیث بھی ہے کہ بدعت کے رواج پانے سے سنت محو ہوتی ہے) تو مٹ گئی اور ان بدعتوں نے اتنا رواج پایا کہ اب کسی طرح مٹائے نہیں مٹ سکیں۔

یہی سبب ہے کہ فرقہ اہل حدیث جو وہابی کہلاتے ہیں ہر چند اس بارے میں کوشش کر رہے ہیں مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلتا آبائی رسم و رواج جو پشتہا پشت سے جاری ہیں کسی طرح بند نہیں ہوتے نہ حدیثیں مانی جاتی ہیں نہ قرآن نہ اقوال ائمہ دین۔ یہی سبب ہے کہ فرقہ شیعہ میں ابتداء سے یہ پابندی کی گئی ہے کہ کسی طرح دینی مسائل میں نہ وہ روایتیں لی جائیں جو خاندان رسالت کے حلقہ سے خارج ہوں نہ اُن احکام پر عمل کیا جائے جو اس طریقہ سے باہر ہوں۔ اگرچہ اس کے جاری کرنے والے کیسے ہی لوگ ہوں اسی کا اثر ہے کہ اس فرقہ کی اذان ان کی نماز اُن کے کل افعال و اعمال مذہبی ایسے سادے طور پر انجام دیے جاتے ہیں کہ نہ اُن میں کوئی بدعت پائی جاتی ہے نہ کوئی امر خلاف شرع جس کی اصلاح کی ضرورت اُن کے علمائے دین کو پڑے اور عوام و خواص میں جنگ قائم ہو کیونکہ ان کے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام نے اس طرح اُن کی تعلیم کی ہے اور احکام شرعی سکھائے ہیں کہ اس قسم کے اختلافات کی گنجائش ہی نہ رہی۔

نوال تغیر

بر بناء اس روایت کے ہے جو السلام علیک یا امیرالمومنین حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح کی نسبت حضرت عثمان کی طرف کی گئی ہے کہ اُن کے حکم سے موذن بعد اذان کے خلیفہ کے مکان پر آتا اور یہ ندا دیتا

اس کے بعد خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے زمانہ تک یہی دستور رہا (دیکھو چوتھا تغیر)

دسواں تغیر

یہ ہوا کہ حضرت عثمان کے زمانہ سے موذنوں کا مشاہرہ مقرر ہوا اس سے قبل اس کا کوئی دستور نہ تھا اسی وجہ سے اس کو اولیات حضرت عثمان میں شمار کیا گیا ہے (تاریخ الخلفا صفحہ ۱۲۶ و ۱۲۱) حالانکہ موذنوں کا مشاہرہ مقرر کرنا یا اس کو اجرت دینا یا اس کی اجرت لینا حکم رسول اللہ کے بالکل خلاف ہے سنن ابی داؤد میں ہا ہے۔

عثمان بن ابی العاص قال قلت یا رسول اللہ اجعلنی امام قوم قال انت امامھم واقتد باضعفھم واتخذ موذنا لایاخذ علی الاذان اجرا۔ (امام الکلام صفحہ ۱۷۱)

عثمان بن ابی العاص کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کسی قوم کا امام بنا دیجئے حضرت نے فرمایا تو ان کا امام ہے جو سب سے ضعیف ہو اس کی پیروی کر اور اس شخص کو موذن مقرر کرنا جو اذان کہنے پر اجرت اور مزدوری نہ لے۔

اس حدیث سے بصراحت معلوم ہوا کہ اذان کی اجرت لینا یا دینا حضرت کی مرضی اور اجازت کے بالکل خلاف ہے اور اگر حضرت عثمان نے اس کو رائج نہ کیا ہوتا تو آج تک شاید وہی سنت رسول اللہ قائم رہتی اور یہ خرابیاں پیدا نہ ہوتیں جو اس تعین وظائف سے مسجدیں خراب اور غیر آباد رہتی ہیں کیونکہ جب منجملہ حصول معاش کی صورتوں کے اذان کی اجرت بھی حلال و جائز ہو گئی تو ہر شخص کو اس کی خواہش رہنے لگی جہاں مسجد کے متعلق کوئی وقف تھا یا بانی مسجد متمول تھا وہاں موذن مقرر ہوا اور جہاں یہ باتیں نہ ہوئیں وہ مسجدیں غیر آباد قرار پائیں اگرچہ حضرات ابوبکر و عمر کے خود کبھی اذان نہ دینے سے اس کی وقعت میں بہت کمی

ہو چکی تھی مگر موذنوں کی رہی سہی عزت کو اس وظیفہ نے اور بھی کم کر دیا کیونکہ عرب میں اس قسم کے وظائف ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

اسی مشاہرے اور تنخواہیں مقرر کرنے کے نتائج سے وہ حکایتیں ہیں جو حمص و اہل حمص کے احوال میں مذکور ہیں کہ ایک سیاح نے دیکھا موذن اذان میں اشھد ان محمد رسول اللہ نہیں کہتا جس کی وجہ اس نے دریافت کی تو معلوم ہوا کہ موذن ان دنوں رخصت پر ہے اس کے عوض ایک یہودی بعوض اجرت اذان پر مامور ہے جس نے پہلے ہی شرط کر لی تھی کہ میں یہ جملہ نہ کہوں گا جو میرے مذہب اور عقیدے کے خلاف ہے۔

اس حدیث سے دوسرا فائدہ یہ نکلا کہ جو طریقہ شیعوں کے یہاں پیش نمازی کے بارے میں اجازہ کا جاری ہے اس کا مطابق سنت ہونا ثابت ہوا کیونکہ عثمان بن ابی العاص نے حضرتؐ سے اس کی خواہش کی کہ مجھے کسی قوم کا امام مقرر کیجئے تو اب جو لوگ برخلاف اس کے اقتدا میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتے اور ہر کس و ناکس کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں وہ اس سنت رسولؐ کے خلاف کرتے ہیں۔

اس خلافت میں جہاں بہت سی سنتیں بدلی ہیں وہاں عیدین کے خطبہ میں بھی تغیر ہوا کہ نماز کے پہلے خطبہ ہونے لگا حالانکہ پیغمبرؐ کے زمانہ تک بلکہ اس کے بہت دنوں بعد تک عیدین میں یہی دستور تھا کہ نماز کے بعد خطبہ ہوا کرتا تھا۔ (تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی)۔

اس خطبہ کے متعلق ایک یہ روایت بھی دیکھی گئی ہے کہ بعد حصول خلافت حضرت عثمان جب خطبہ دینے منبر پر تشریف لے گئے تو ان کی زبان بند ہو گئی اور رعب چھا گیا جس سے کچھ بول نہ سکے تب یہ کہہ کر منبر سے اتر پڑے۔

"ابوبکر و عمر اسی کے لئے پہلے سے تیاری کر لیتے تھے اب تم کو ایسے امام کی

زیادہ ضرورت ہے جو عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے نہ
اس کے جو بڑا خطیب ہو اور آئندہ تم کو ویسے ہی خطبے سننے میں آئیں گے۔"

خلافت جناب امیر المومنینؑ

اکثر مورخوں کے نزدیک حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؑ کو ایک زمانہ دیا گیا ہے جس میں آپ کی خلافت بعض بعض ممالک اسلامیہ میں قبول کی گئی اسی لئے میں نے بھی حضرت کا نام لیا۔ مگر اس عہد کے حال میں کوئی ایسا امر نہ ملا کہ جس کو کوئی شخص بھی حضرت کے اولیات میں شمار کرے اور یہ کہہ سکے کہ حضرت نے اس چیز کی ایجاد کی۔ کیونکہ حضرت کی خلافت کا زمانہ ابتداء سے انتہا تک اسی صرف ہوا کہ کسی طرح رسول اللہ کی مٹی ہوئی سنتیں اپنے اصلی مرکز پر آجائیں اور بدعتیں موقوف ہوں مگر ۲۴ برس کے انقلابات اور تغیرات اور شریعت اسلامی میں رد و بدل کی کوششیں ایسی معمولی نہ تھیں کہ اس تین چار برس کی کوشش میں مٹ جاتیں اسی وجہ سے یہ خلافت عالم آشوب بغاوت میں ختم ہو گئی اور کوئی بدعت نہ مٹ سکی۔ یہی سبب ہے کہ مجھے کوئی ایسا تاریخی واقعہ نہیں ملتا جس سے اذان میں کسی نئے اضافے کا پتہ چل سکے۔ مورخوں نے ان احکام کے چھپانے کی بھی کوشش کی ہے جو حضرت خلفائے ماسبق کی ترمیم اور تبدیلیوں کے بارے میں صادر فرماتے تھے لہذا اُن سے بھی کچھ ملنے کی امید نہیں شیعی کتب میں اس قسم کی بہت سی باتیں ملتی ہیں مگر اُن کا یہاں پر لکھنا اس رسالہ کے اصول مقررہ کے خلاف ہے۔

البتہ مذہبی کتابیں بتاتی ہیں کہ خود حضرت علی مرتضیٰ کا نام قرآن مجید میں اذان ہے جس کے بعد پھر زیادہ تحقیق و جستجو کی ضرورت نہیں رہتی علامہ شیخ سلیمان حنفی قندوزی اپنی مشہور کتاب ینابیع المودۃ میں لکھتے ہیں۔

"یعنی قرآن مجید میں جو آیہ فاذن موذن وارد ہے اس سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں جو کہیں گے کہ لعنۃ اللہ علی الظالمین۔ مراد ظالموں سے وہ لوگ ہیں جو آپ کی ولایت کی تکذیب کریں گے اور سبک سمجھیں گے آپ کے حق کو ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے راوی اس کے امام حاکم ہیں۔ اور ابو صالح سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا قرآن مجید میں میرے چند نام ہیں جن کو لوگ نہیں جانتے ان ناموں سے ایک نام موذن ہے۔ اور جابر سے روایت ہے کہ جب حضرت علیؑ نے جنگ نہروان سے فراغت پائی اور آپ کو یہ خبر پہونچی کہ معاویہ شام میں آپ کو گالی دیتا اور آپ کے دوستوں کو قتل کرتا ہے تو آپ نے خطبہ میں فرمایا میں وہ موذن ہوں دنیا و آخرت میں جس کی خدا نے آیہ فاذن موذن میں خبر دی ہے کہ لعنت کریں گے ظالموں پر دنیا و آخرت میں جیسا کہ خدا نے سورہ برائت میں فرمایا اذان من اللہ و رسولہ کہ میں ہی وہ اذان ہوں۔ دوسری روایتیں بھی اسی آیت سے سند لائی گئی ہے کہ وہ موذن جناب امیرؑ ہیں جن کی آواز تمام خلائق سنے گی جیسا کہ خدا نے فرمایا کہ اذان من اللہ مراد اس سے علی علیہ السلام ہیں۔

ہم پہلے اشارۃً ذکر کر چکے ہیں کہ سورہ برائت لیکر پہلے حضرت ابوبکر و عمر بھیجے گئے مگر بموجب حکم خدا پیغمبر خدا نے جناب امیرؑ کو اس کام پر متعین کیا اور آپ نے جا کر ان دونوں حضرات سے سورہ برائت لے لیا اور مکہ جا کر اس حکم کی تعمیل کی ابوبکر و عمر راہ سے واپس آئے اور خدمت رسول میں عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی ہمارے بارے میں نازل ہوا ہے حضرت نے فرمایا

نہیں البتہ یہ حکم نازل ہوا ہے کہ یا میں خود اس کی تعمیل کروں یا علی ابن ابیطالب
نیز جب بہ تصریح ان احادیث جلیلہ کے جناب امیر المومنینؑ کا نام ...
قرآن میں اذان ہے تو اب اس پر کیونکر تعجب ہو سکتا ہے کہ حضرتؑ کا اسم مبارک
کس طرح داخل اذان ہوا جس طرح مخالفین اسلام کو کوئی حق اس کا نہیں
کہ اشہد ان محمد رسول اللہ کے جزو اذان ہونے پر معترض ہوں اسی طرح
مخالفین علی مرتضیٰ کو بھی کوئی حق نہیں کہ اس پر معترض ہوں۔

اس جملہ کا ذکر یہاں صرف اس غرض سے کیا گیا ہے کہ آپ کو آگے چل کر معلوم
ہوگا کہ اسلامی سلطنت پر جملہ حی علی خیر العمل اور اشہد ان امیر
علیاً ولی اللہ نے کیا اثر ڈالا اور کیسے کیسے خونی طوفان ان کے سبب اٹھے
جو آج تک مسلمانوں کو تہ و بالا کئے ہوئے ہیں انہیں جملوں کے متعلق مسلمانوں کے
باہمی اختلافات نے مصر کی سلطنت اور بغداد کی خلافت کو تباہ و برباد کیا۔

دور خلافت رابعہ

جس معنی سے تین خلافتیں پہلے قائم ہوئیں اس معنی سے چوتھی خلافت معاویہ
بن سفیان ہی کی ہو سکتی ہے کیونکہ اصول خلافت چار ہیں۔ بیعت اہل حل
استخلاف خلیفہ سابق جس کی وجہ سے حضرت عمر خلیفہ ہوئے۔ شوریٰ جس سے
خلیفہ ہوئے۔ قہر و غلبہ جس سے معاویہ کو خلافت ملی۔

جس زمانے سے اس زمانے میں یہ خلافت قائم کی گئی آج تک اس کا وہی
شور ہے۔ باغی خارجی خطاب دینے کے بعد بھی یہ خلافت حق مانی جاتی ہے
مگر اس کا ذریعہ برائے نام کی ماتحتی میں تھا اور ۲۰ برس بالاستقلال خلافت
ہاتھ میں رہی جس سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ ... اس کا

اثر پڑا ہوگا۔

اس دور خلافت میں اذان میں کئی تغیرات ہوئے اور اس سے متعلق کئی واقعات ہیں جن کو بالاجمال لکھتا ہوں۔

گیارہواں تغیر

یہ ہوا کہ معاویہ نے حکم دیا مؤذن بعد اذان اُن کو یوں پکارے السلام علیک یا امیر المومنین رحمک اللہ۔ کتاب الاوائل عسکری اور تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی اولیات معاویہ کے سلسلے میں مرقوم ہے کہ اول من قیل له السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الصلوۃ یرحمک اللہ معاویہ پہلے وہ شخص ہیں جن کے لئے کہا گیا السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الصلوۃ یرحمک اللہ (تاریخ الخلفاء ص ۱۳۶)

یہ تغیر ۹ و ۵ میں بھی کچھ معمولی فرق کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمر و حضرت عثمان بھی اس میں حصہ دار ہیں چوتھے حصہ دار مغیرہ بن شعبہ ہیں کہ انھوں نے بھی ایسا حکم دیا تھا مگر یہ چنداں صحیح نہیں۔ (تحقیق عجیب ص ۵)

بارہواں تغیر

سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ سب سے پہلے معاویہ نے اس کا حکم دیا کہ مؤذن درمیان اذان و اقامہ کے آکر یوں کہے حی علی الصلوۃ کیونکہ رسول اللہ کے عہد میں یہ دستور تھا کہ مؤذن الصلوۃ الصلوۃ کہتا تھا۔

مگر یہ تغیرات علیحدہ علیحدہ بر مذاق محدثین ہیں ورنہ تغیر ۶، ۹ و ۱۱ و ۱۲ ایک ہی معلوم ہوتا ہے جس کی ابتدا عہد خلیفہ دوم سے ہوئی بعد اُن کے ہر خلیفہ نے اپنے

عہد میں اس کی تجدید کی جس کو محدثین کے اختلاف نے اس حد تک پہونچایا۔

تیرھواں تغیر

عید کے لئے بھی اذان مقرر کی حالانکہ اس کے قبل عیدین میں صرف الصلوٰۃ الصلوٰۃ کی ندا دی جاتی تھی۔ سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے عید میں اذان ایجاد کی وہ معاویہ ہیں۔ یہ اضافہ حقیقت میں کچھ بدنما نہیں معلوم ہوتا کیونکہ نماز عید حال کی تحقیقات میں مسلمانوں کی سالانہ کانفرنس ہے جس میں نزدیک پاس کے سب لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور جن کو نماز کی عادت نہیں بھی ہوتی وہ بھی شریک ہوتے ہیں ایسی نماز کا بلا اذان رہنا ضرور برا معلوم ہوا ہوگا خصوصاً ایسے خلیفہ کو جو بہ قہر و غلبہ خلیفہ بنا تھا۔ حضرت عثمان نے جو سفر حج میں بمقام منیٰ دو رکعتی نماز کو چار رکعتی بنایا اور بجائے قصر کے اتمام کیا اور صحابہ معترض ہوئے تو یہی جواب دیا کہ حج میں دور دراز ملکوں کے لوگ آتے ہیں اگر وہ خلیفہ کو دو رکعت نماز پڑھتے دیکھیں گے تو ممکن ہے ان کو یہ شبہ پیدا ہو کہ اصل نماز دو ہی رکعت ہے اس لئے میں نے چار کر دی۔ یہی جواب معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے کہ عید کی نماز بغیر اذان کے کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ معاویہ و عثمان ایک ہی خاندان کے دو ممبر ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حکم رسول اللہ یوں ہی تھا کہ عید کی نماز کے لئے بجائے اذان کے صرف الصلوٰۃ کی ندا دی جائے مگر معاویہ کے نزدیک یہ فرد گذاشت قابل ترمیم قرار پائی لیکن افسوس علمائے اہل سنت نے آئندہ زمانہ میں اس کو بدعت قرار دے دیا۔

تاریخی حیثیت سے یہ بتانا مشکل ہے کہ اس بدعت کی موقوفی کب ہوئی اور

کیوں کوئی قرینہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے بنی عباس نے اپنے عہد حکومت میں اس بدعت کو موقوف کیا ہے۔

اگر حضرت عثمان جمعہ کی نماز کے لئے دہری اذان ایجاد کرنے کے بجائے عید کی نماز کے لئے ایجاد کئے ہوتے تو شاید جمہور اہلسنت کو اس میں کوئی اختلاف نہ ہوتا کیونکہ خلفائے راشدین کے افعال و حرکات ہر اعتراض و اختلاف سے بالاتر ہیں مگر قاعدہ سے مسلمانوں کو اس سنت معاویہ سے بھی اختلاف کرنا مناسب نہیں کیونکہ الصحابۃ کلھم عدول میں معاویہ بھی داخل ہیں۔

مورخین نے حضرت عثمان کی اس حدیث میں کہ انھوں نے عیدین کے خطبہ کو نماز عیدین سے پہلے کر دیا معاویہ و مروان کو بھی شریک کیا ہے کہ یہ جرأت حضرت عثمان سے کی کوئی کہتا ہے کہ معاویہ یا مروان نے کی مگر یہ اختلاف بلا وجہ ہے کیونکہ معاویہ نے اس میں صرف اتنی زیادتی کی تھی کہ جو خطبہ کھڑے ہو کر پڑھا جاتا تھا اس کو بیٹھ کر پڑھنا رائج کیا کیونکہ اُن کا موٹاپا مانع تھا اس سے کہ کھڑے ہو کر پڑھیں۔

یہاں مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ معاویہ سے ایک مرتبہ بالائے منبر بآواز بلند ریاح صادر ہو گئی جس پہ فوراً یہ خطبہ انشا کیا الحمد للّٰہ الذی جعل خروج الرایح راحۃ (اس خدا کا شکر جس نے ریاح صادر ہونے کو سبب راحت قرار دیا) اس پہ حاضرین جلسہ میں سے کسی نے برجستہ کہا ولکن علی المنبر قباحۃ و قاحۃ (لیکن منبر پہ یہ بات بڑی بے حیائی اور بے شرمی ہے) مگر ایسی باتیں بیان کرنا مناسب نہیں کیونکہ اس طرح کا واقعہ اوروں کو بھی پیش آسکتا ہے جیسا حضرت خلیفہ دوم کے حال میں لکھا ہے تو ایسے امور کو درج تواریخ کرنا عبث تاریخ کھونا ہے۔

معاویہ ان خوش قسمت خلفاء میں شمار کئے جانے کے لائق ہیں جن کے احکام جس

احکام خدا اور رسولؐ قبول کیے جاتے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں ہزارہا صحابہ و تابعین موجود تھے مگر معاویہ تبدیل احکام شریعۃ میں ایسے دلیر تھے کہ بلا لحاظ کسی کے جب چاہتے اور جو امر چاہتے کر گذرتے چنانچہ جنگ صفین کو جاتے وقت راستہ میں بدھ کے دن نماز جمعہ پڑھا دی اور سب نے اقتداء کی (تاریخ کامل صفحہ مطبوعہ مصر)

معاویہ کے اولیات میں علامہ سیوطی نے عدد تکبیر کے کم کرنے کو بھی لکھا ہے مگر اس کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے کہ کونسی تکبیروں میں کمی کی کیونکہ نماز جنازہ میں بجائے پانچ تکبیروں کے چار تکبیریں قرار دینا تو خلیفہ دوم کی طرف منسوب ہے شاید نمازوں کی تکبیریں مراد ہوں جس سے یہاں بحث کرنا موضوع سے خارج ہے

واقعات

اب ہم چند واقعات اس اذان کے متعلق لکھتے ہیں جو بہ زمانہ معاویہ واقع ہوئے اور مورخوں نے ابتک بچا کر ان کو لکھا ہے۔

پہلا واقعہ

منہال بن عمر راوی ہے کہ معاویہ نے امام حسنؑ سے خواہش کی کہ منبر پر جا کر کچھ بیان کریں حضرت امام حسنؑ نے بعد حمد و ثنا فرمایا جو مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے جو نہ پہچانتا ہو اس کو میں بتاتا ہوں کہ میرا وطن مکہ و منیٰ ہے اور میں فرزند (صاحب) مروہ و صفا ہوں۔ میں فرزند نبی مصطفےٰؐ ہوں۔ میں فرزند ہوں فاطمہ سیدۃ النساء کا میں فرزند ہوں ان کا جو ہر عیب و نقص سے بری اور پاک پاکیزہ ہیں۔ ابھی حضرت کا خطبہ یہیں تک پہونچا تھا کہ موذن نے اذان شروع کی جب اس نے اشہد ان محمد رسول اللہ کہا تو جناب امام حسنؑ نے فرمایا کے

معاویہ بتا محمدؐ تیرے باپ ہیں یا میرے اگر تو نے انکار کیا اُن کے میرے باپ ہونے سے تو کافر ہوا اور اگر اقرار کیا تو قائل ہوا۔ قریش والے عرب والوں پر فخر کرتے ہیں کہ محمدؐ ہم سے ہیں اور عجم والے اہل عرب کے اس فخر کا اعتراف کرتے ہیں کہ محمدؐ اُن سے تھے کتنی حیرت کی بات ہے عرب والے ہمارے حق لوگوں سے طلب کرتے ہیں مگر خود ہمارا حق ہم کو نہیں دیتے۔"

اس قسم کی فرمائش معاویہ نے جو امام حسنؑ سے کی اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ امام حسن بوجہ حسن اخلاق بہت کم سخن تھے۔ عمرو عاص مغیرہ وغیرہ نے معاویہ کو یہ یقین دلا دیا تھا کہ مجمع عام میں امام حسنؑ کو تقریر کرنے کی صلاحیت نہیں ان سے اگر مجمع میں تقریر کرائی جائے تو ان کی عاجزی تمام عالم پر ظاہر ہو گی اور سب جان جائیں گے کہ ان میں خلافت کی قابلیت نہیں لہذا تمہارا یہ عیب کہ بزور خلافت لی ہے کچھ کم ہو جائے گا اسی وجہ سے اکثر کتب تواریخ و کتب ادب میں امام حسنؑ کے ایسے خطبے منقول ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ معاویہ ایسے نہ تھے کہ امام حسنؑ سے تقریر کرنے کی فرمائش کریں۔ اصلی غرض وہی تھی کہ لوگوں پر حضرت کی عاجزی ظاہر ہو کیونکہ قادر الکلامی بھی خلافت کے اعلیٰ صفات سے ہے اور بالخصوص عرب میں تو یہ اعلیٰ درجہ کا وصف پایا جاتا ہے۔

اس قسم کے خطبے اور واقعات اگر ذکر کیے جائیں تو ایک ضخیم جلد اسی کے متعلق تیار ہو جائے کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ معاویہ، مغیرہ، عقبہ وغیرہ نے مل کر کلام کیا اور سب کا جواب امام نے دیا ہے مگر صرف ایک مختصر خطبہ تمرۃ الاوراق سے لکھا جاتا ہے جو تفریح طبع کے لئے کافی ہے کہ امام حسنؑ نے کن مختصر الفاظ میں حق و باطل کا فیصلہ کیا ہے۔

"جب معاویہ مدینہ میں داخل ہوئے تو منبر پر جا کر جناب امیرؑ اور امام حسنؑ

وامام حسینؑ کو گالیاں دیں جس پر جناب امام حسنؑ نے کھڑے ہو کر بعد حمد و صلوٰۃ فرمایا "خدا نے جب کسی پیغمبر کو بھیجا ہے تو اس کے لئے بدکاروں سے ایک دشمن بھی بنایا ہے۔ میں فرزند علیؑ ہوں اور تو فرزند صخر تیری ماں ہندہ ہے، میری ماں فاطمہ زہرا تیری دادی قتیلہ ہے میری جدہ خدیجہ، اب خدا لعنت کرے اس پر جو ہم دونوں میں سب سے زیادہ نسب میں لئیم ہو گمنام ہو اور کفر و نفاق میں زیادہ ہو۔ جس پر ہر طرف سے اہل مسجد نے آواز آمین بلند کی اور معاویہ منبر چھوڑ کر گھر میں جا چھپے (ثمرۃ الاوراق بر حاشیہ مستطرف ص ۱۲۱)

دوسرا واقعہ

ایک روز امام حسینؑ مجلس یزید بن معاویہ میں تشریف لائے تو یزید نے اپنے مفاخر بیان کرنا شروع کیے کہ ہم میں یہ فخر و شرف ہے ہم لوگ ایسے ہیں ویسے ہیں امام حسینؑ خاموش تھے کہ مؤذن نے اذان شروع کی جب اشهد ان محمدا رسول الله کہا تو امام حسینؑ نے فرمایا اے یزید یہ محمدؐ کس کے جد ہیں جس پر یزید شرمندہ ہوا اور کچھ جواب نہ دے سکا (ثمرۃ الاوراق بر حاشیہ مستطرف ص ۱۲۱)

اس واقعہ کو خلافت معاویہ سے اس وجہ سے تعلق ہے کہ امام حسینؑ اور یزید کی ملاقات معاویہ کی خلافت ہی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ معاویہ کے مرنے کے بعد نہ امام حسینؑ شام تشریف لے گئے نہ یزید مدینہ آیا جو ملاقات ہوتی۔

تیسرا واقعہ

علامہ مسعودی اپنی تاریخ مروج الذہب میں لکھتے ہیں

"خلیفہ مامون رشید نے سنہ ۲۱۲ھ میں منادی کرائی کہ اس شخص کو امان نہیں ہے جو معاویہ کو اچھائی کے ساتھ یاد کرے یا کسی صحابی پر اُسے فضیلت دے اس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ آخر کس سبب سے مامون نے یہ منادی کرائی۔ مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ مامون کے کسی مصاحب نے مطرف بن مغیرہ بن شعبہ کے واسطہ سے یہ روایت مامون سے بیان کی (اس روایت کو زبیر بن بکار نے بھی اپنی کتاب موفقیات میں درج کیا ہے) کہ میں اپنے باپ مغیرہ کے ساتھ ایک دفعہ معاویہ کے ہاں گیا۔ چونکہ مغیرہ کی دوستی تھی معاویہ سے اس لئے اُن کی آمد و رفت برابر وہاں رہتی اور وہ ہمیشہ اس کی مدح و ثنا کرتے اور اس کی عقل و تدبر کی تعریفیں کرتے ایک رات جو معاویہ کے پاس سے واپس آئے تو نہایت ہی محزون و مغموم تھے مارے رنج کے کھانا بھی نہ کھایا مجھے خیال ہوا کہ شاید ہم لوگوں کے بارے میں یا ہماری حکومت کے بارے میں کوئی بات واقع ہو گئی ہے (کیونکہ مغیرہ معاویہ کی طرف سے کوفہ وغیرہ کا حاکم بھی تھا) میں نے پوچھا کہ آج آپ کو کس بات کا اس قدر غم ہے تو مغیرہ نے جواب دیا کہ اس وقت میں خبیث ترین مردم کے پاس سے آ رہا ہوں میں نے پوچھا واقعہ کیا ہے مغیرہ نے کہا آج میں نے تخلیہ میں معاویہ سے کہا آپ کی کل آرزوئیں پوری ہوئیں اب تو رحم کرنا چاہیے کیونکہ آپ کا کافی سن ہو چکا بنی ہاشم پر جو آپ کے بھائی ہیں نظر کیجئے اور صلہ رحم کا حق ادا کیجئے کہ خدا کی قسم اب ان کے پاس کوئی چیز ایسی باقی نہیں بچی جس سے آپ کو خطرہ محسوس ہو معاویہ نے جواب دیا افسوس

(ایسا نہیں ہو سکتا) قبیلہ تیم والے (یعنی ابو بکر) نے بادشاہی کی اور عدل و انصاف سب کچھ کیا مگر مر جانے پر اُن کا نام بھی مر گیا اسی طرح قبیلہ عدی والے (یعنی عمر) نے بھی حکومت و دولت پائی اور سب کچھ کیا مگر مر جانے پر اُن کا بھی نام مٹ گیا آج کوئی انھیں یاد نہیں کرتا اسی طرح میرے بھائی (عثمان) نے بھی سلطنت کی خاندانی عزت و ثروت کے لحاظ سے اُن کا کوئی ہمسر نہ تھا اور انھوں نے جو کارنامے انجام دیے سو انجام دیے مگر ان کے مرنے کے ساتھ ان کا ذکر بھی ختم ہو گیا کوئی نام بھی نہیں لیتا مگر یہ ہاشم والا (یعنی حضرت محمد مصطفیٰ) اس کا نام ہر دن پانچ مرتبہ پکارا جاتا ہے اشھد ان محمد الرسول اللہ اب بتاؤ اس ناموری کا بھلا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے اس عمل کے ساتھ کس کا عمل باقی رہ سکتا ہے۔ تمہاری ماں مرے خدا کی قسم اب تو یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ہم اسی نام کو مٹا ڈالیں۔

یہ روایت جب مامون رشید نے سنی تو حکم دیا کہ اس مضمون کا پروانہ تمام ملک میں جاری کیا جائے کہ کوئی معاویہ کو بخیر و خوبی یاد نہ کرے اور منبروں پر لعنت کی جائے اس فرمان کی وجہ سے رعایا میں بڑی شورش پیدا ہوئی آخر مامون رشید کو اپنا حکم واپس لینا پڑا (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل ص۳ جلد ۹)

اس مضمون کو علامہ شہر ابن آشوب نے بھی مثالب میں لکھا ہے مگر انتہائی مختصر طور پر ان کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ ایک روز میں معاویہ کے پاس گیا جب اذان ہونے لگی تو موذن نے کہا اللہ اکبر معاویہ نے بھی اللہ اکبر کہا اسی طرح اشھد ان

لاالہ الااللہ کو بھی معاویہ نے دہرایا جب موذن نے اشہد ان محمدا رسول اللہ کہا تو معاویہ نے گردن جھکالی اور کچھ دیر کے بعد کہا اے پسر عبداللہ (خطاب ہے طرف رسول اللہ کے) کس قدر تیرا ہمت بلند تھی کہ تو نے اپنے نام کو خدا کے نام سے ملا دیا۔ معاویہ کے یہ خیالات ذاتی نہ تھے بلکہ موروثی تھے معاویہ کے باپ ابوسفیان کے بھی ہمیشہ ایسے ہی خیالات رہے چنانچہ عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔

"ایک صحبت میں ابوسفیان بھی تھے جب کہ آنکھیں اُن کی جا چکی تھیں اور مجمع میں حضرت علیؑ بھی تھے کہ موذن نے اذان شروع کی جب اشہد ان محمدا رسول اللہ کہا تو ابوسفیان نے کہا یہاں کوئی غیر تو نہیں ہے؟ کسی نے جواب دیا کہ نہیں تو ابوسفیان نے کہا خدا بھلا کرے اس ہاشمی (یعنی حضرت محمد مصطفےٰ) کا دیکھو کہ اپنا نام کہاں رکھا ہے حضرت علیؑ نے کہا خدا تیری آنکھوں کو گرم کرے خود خداوند عالم نے حضرتؐ کو یہ عزت دی چنانچہ ارشاد فرمایا ورفعنا لک ذکرک ابوسفیان نے کہا خدا اس کی آنکھ کو گرم کرے جس نے یہ کہا کہ یہاں کوئی ایسا شخص نہیں جس کا خوف کیا جائے۔

علامہ جاحظ رسالہ المفاخرۃ بنی ہاشم و بنی امیہ میں لکھتے ہیں۔

"ہم لوگ جانتے ہیں کہ ابوسفیان کس درجہ رسول اللہ کا دشمن تھا اور کس طرح لڑائیاں لڑا اور آپ کے خلاف معاندانہ کوششیں کیں اور کس طرح لوگوں کو آمادہ کیا حضرتؐ کی دشمنی پر اور اسی طرح حضرتؐ نے بھی کس کس طرح اس سے جہاد کیا۔ ہم کو ابوسفیان کا اسلام بھی معلوم ہے جب وہ اسلام لایا اور اس کا اخلاص بھی معلوم ہے اور فتح مکہ کے روز

جب لشکر اسلام کی شان و شوکت دیکھی تو جو کچھ اس موقع پر عباس عم پیغمبر سے کہا وہ بھی معلوم ہے (حضرت عباس سے ابو سفیان نے کہا تھا تمھارا بھتیجا تو بڑا زبردست بادشاہ بن گیا) پھر جو کلمہ بروز حنین کہا وہ بھی معلوم ہے الآن بطل سحر محمد اب محمدؐ کا جادو باطل ہوگیا اور وہ کلمہ بھی معلوم ہے جو ابو سفیان نے اس وقت کہا جب بلال نے بالائے خانہ کعبہ اذان کہی۔"

روضۃ الصفا کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

"جب نماز کا وقت آیا پیغمبرؐ خدا نے بلال کو حکم دیا کہ بالائے خانہ کعبہ نماز کے لئے اذان کہیں جب مشرکوں نے بلال کی آواز سُنی تو ان میں سے کچھ لوگوں نے جیسے ابو جہل کے بھائی ہشام۔ حکم بن ابی العاص (حضرت عثمان کے چچا اور مروان کے باپ) نے کچھ ناشائستہ کلمات کہے ابو سفیان بن حرب بھی اس مجمع میں موجود تھا اس نے کہا میں کچھ نہیں کہتا اگر میں کچھ بھی کہوں گا تو یقین ہے کہ یہ سنگریزے محمدؐ کو اس کی خبر کر دیں گے جبرئیل امین نازل ہوئے اور انھوں نے ان مشرکین کی گفتگو پیغمبرؐ سے بیان کی۔ پیغمبرؐ نے ان لوگوں کو طلب کیا اور ہر ایک سے پوچھا کہ تم نے کیا بات ایسی کہی تھی سب شرمندہ ہوئے اور زبان پر کلمہ توحید جاری کیا ابو سفیان نے کہا یا رسول اللہ میں نے کچھ بھی نہیں کہا تھا اس پر رسول اللہؐ ہنس پڑے۔" (روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۸۷)

محقق دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

"ایک روایت میں ہے کہ جن لوگوں نے پیغمبرؐ کی شان میں کلمات ناسزا کہے تھے [illegible]

اس کی خبر دینگے اور جب آں حضرتؐ نے ان لوگوں سے بازپرس کی اور انکی کہی
ہوئی باتیں دہرائیں تو ابوسفیان نے کہا میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی پیغمبر خدا
مسکرائے اور آپ نے تصدیق فرمائی۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس سے پتہ چلتا
ہے کہ ابوسفیان کے دل میں ایمان نے جگہ پالی تھی اس کا اسلام اچھا ہو گیا تھا
جو لوگ کہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے ان میں سے بعض کے متعلق کہا جاتا ہے
کہ اُن کا اسلام اچھا ہو گیا تھا اور بعض کے متعلق علماء نے اختلاف کیا۔ بہرصورت
ان لوگوں کو جو مکہ کی فتح کے دن مسلمان ہوئے تھے مؤلفۃ القلوب کہا جاتا ہے
اس لفظ کے معنی اور ان لوگوں کا حال غزوہ حنین اور مال غنیمت کی تقسیم کے
وقت واضح ہوا معاویہ ابوسفیان کے بیٹے بھی انہیں لوگوں میں سے تھے جو بروز
فتح مکہ مسلمان ہوئے اور جو مؤلفۃ القلوب میں شمار کیے جاتے ہیں اور بعض لوگوں
نے کہا ہے کہ وہ اپنے باپ ابوسفیان سے پہلے اور آں حضرتؐ کی تشریف آوری
مکہ سے قبل مسلمان ہوئے کہا جاتا ہے کہ جب حضرت مکہ تشریف لے جا رہے
تو معاویہ راستہ میں آ کر ملے اور مسلمان ہوئے۔ (تاریخ النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۶)

حیرت ہے کہ ابوسفیان کی جس بات پر علامہ جاحظ کو اُس کے اسلام میں کلام
ہے اسی کو محقق دہلوی اُس کے ایمان کی دلیل قرار دے رہے ہیں حالانکہ خود محقق دہلوی
کی عبارت اور پیغمبر خدا کا تبسم بتا رہا ہے کہ ابوسفیان کا خاموش رہ جانا کیوں تھا
اور اُس کا اسلام کیسا تھا یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے وہ کلمات ناسزا کہے تھے وہ
سب آخر میں مشرف بہ اسلام ہو گئے مگر یہ ابوسفیان اپنی حالت پر باقی رہا۔ علامہ
دیار بکری لکھتے ہیں:

پیغمبر خدا ان کے پاس آئے اور فرمایا تم لوگوں نے جو باتیں کہیں وہ مجھے معلوم
ہو گئیں پھر آں حضرتؐ نے اُن کے قول دہرائے۔ حارث اور عتاب نے کہا ہم گواہی

دیتے ہیں کہ بے شک آپ خدا کے رسول ہیں خدا کی قسم ہمارے علاوہ کوئی اور ان باتوں کے وقت موجود بھی نہ تھا جس کے متعلق ہم کہہ سکیں کہ اس نے آپ کو خبر دی ہوگی۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۹۷)

برخلاف ابوسفیان کے کہ وہ بھی جانتا تھا کہ کسی نے بھی پیغمبر خدا کو ان باتوں سے آگاہ نہیں کیا بلکہ یہ وحی تھی جس نے نازل ہو کر پیغمبر کو ان لوگوں کی باتیں بتا دی تھیں پھر بھی وہ اسلام نہ لایا۔ یہ نفاق اس کا مرتے دم تک باقی رہا چنانچہ خود اس نے حضرت عثمان سے ان کی ابتدائے خلافت کے زمانہ میں کہا تھا۔

"اے فرزندان امیہ اس خلافت سے اس طرح کھیلو جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں قسم اسکی جس کی ابوسفیان قسم کھاتا ہے کہ نہ عذاب ہے نہ حساب نہ جنت ہے نہ جہنم نہ پھر زندہ ہونا نہ قیامت۔"

یہ فقرہ اس کے کفر و نفاق کا صریحی ثبوت ہے چنانچہ مدارج النبوۃ وغیرہ میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے۔

محقق دہلوی لکھتے ہیں:-

"استیعاب میں علامہ ابو عمر و نے لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے روایت کی ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی ابوسفیان منافقوں کا پشت پناہ بنا رہا زمانہ جاہلیت میں یہ زندیق مشہور تھا حسن بصری سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو ابوسفیان اُن کے پاس آیا اسکی آنکھیں جا چکی تھیں اُس نے کہا قبیلہ تیم و عدی (یعنی ابوبکر و عمر) کے بعد خلافت تم تک پہنچی ہے اسے بنی امیہ کے لڑکوں میں گھماؤ پھراؤ یہ تو بادشاہت ہے میں نہ جنت جانتا ہوں نہ جہنم الخ

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ مطبع ناصری دہلی)

کتنی حیرت کی بات ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان جو اسی نبوت و رسالت کی خلافت کا مدعی

کہتا ہے کہ :-

کس حد تک ہمت بلند تھی تیری اے پسر عبداللہ کہ تو نے اپنا نام خدا سے ملا دیا۔

یہ فقرہ اس کا صریحی ثبوت ہے کہ اسکو حضرتؐ کی نبوت کا اقرار نہ تھا۔ اس پہ بھی معاویہ کے احکام کا شریعت محمدیہ کے بارے میں قبول کیا جاتا ہے انتہائی حیرت انگیز ہے۔

خلافت یزید بن معاویہ

اس خلافت میں مجھے اذان کے متعلق کوئی نیا تغیر نہیں ملا مگر اذان کا تعلق بھی اس سے نہیں چھوٹا۔

پہلا واقعہ

بروز عاشور جب معرکہ کارزار گرم ہوا اور ۷۲ رفقائے حسینی میں سے ۵۰ سے زیادہ شہید ہو چکے تو ابو ثمامہ صیداوی نے خدمت میں عرض کی اے سید و آقا ہمارے ظہر و عصر کی نماز ہمارے ساتھ پڑھ لیجئے کہ جہاں تک ہمارا خیال ہے یہ آخری نماز ہوگی جو ہم آپ کے ساتھ پڑھیں گے ہم خدا سے ملیں تو اس حالت سے ملیں کہ اسکے فریضہ سے فارغ ہوں، پس اذان کہی اور اقامت تمام انصار نماز کے لیے کھڑے ہو گئے حالانکہ اس وقت دشمن مسلسل تیر بارانی کر رہے تھے۔ امام حسینؑ نے کہا واے ہو تم لوگوں پر کیا تم لوگ لڑائی سے اتنی دیر بھی رک نہیں سکتے کہ ہم لوگ نماز پڑھ لیں، کسی نے کوئی جواب نہیں دیا سوا حصین بن نمیر کے کہ اس نے کہا حسین تمھاری نماز قبول نہ ہوگی حبیب بن مظاہر نے کہا فرزند رسولؐ کی نماز تو قبول نہ ہوگی اور تیری نماز قبول ہو جائے گی۔

اس کے بعد حضرت حبیب لغرض جنگ دوڑ پڑے اور رجز کے اشعار پڑھتے ہوئے

حملہ آور ہوئے حسین پر حملہ کیا اور لیا وار لگایا کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا مگر اُسکے ہمراہیوں نے اُسے بچا لیا حبیب بن مظاہر یوں ہی لڑتے رہے اور بہت سے دشمنوں کو قتل کیا یہاں تک کہ شہید ہوئے امام مظلوم نے فرمایا خدا رحمت نازل کرے تم پر اے حبیب کہ ایک رات میں تم قرآن ختم کرتے تھے اور صاحب فضل و شرف تھے۔ زہیر بن قین نے عرض کی مولا کیا وجہ ہے کہ عباس و حبیب ابن مظاہر کی شہادت کے بعد آپ کے چہرے سے آثار شکستگی ظاہر ہیں کیا ہم لوگ حق پر نہیں ہیں؟ امام نے فرمایا کہ قسم ہے حق کی کہ ہم حق پر ہیں اور محق ہیں۔ زہیر نے عرض کی پھر ہم لوگوں کی شہادت سے آپ کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں حالانکہ ہم شہید ہو کر داخل جنت و نعمات جنت ہوتے ہیں اس کے بعد زہیر نے لشکر اعدا پر حملہ کیا ساتھ ہی رجز پڑھتے جاتے تھے۔ ۲۰ سواروں کو قتل کر کے زہیر پھر آئے اور نماز جماعت امام کے ساتھ ادا کی اور کہا:۔ اے میری قوم والو! کیا دیکھتے ہو یہ جنت ہے جس کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور پھل اسکے تیار ہیں یہ رسول اللہ تشریف فرما ہیں اور دوسرے شہدا ہمارے قدوم کے مشتاق ہیں دین خدا کی حمایت کرو اور حرمت فرزند رسولؐ کی نگہداشت کرو یہ کہہ کر پھر حملہ آور ہوئے اور پچاس سے زیادہ کافروں کو قتل کر کے راہی جنت ہوئے (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۸۹)

اس واقعہ کو تاریخ الاذان سے کئی وجوہ سے تعلق ہے ایک یہ کہ خلافت یزید بن معاویہ کا واقعہ ہے اور اس رسالہ میں التزام کیا گیا ہے کہ ہر ہر خلیفہ کے احکام اور تغیرات اور واقعات متعلق اذان درج کیے جائیں۔ دوسرے اسلام بلکہ تمام دنیا کی تواریخ میں یہ واقعہ انتہائی حیرت ناک ہے کہ فرزند رسولؐ اپنے نانا کی امت اور کلمہ گویوں سے نماز پڑھنے کی مہلت مانگے اور کوئی کلمہ گو اس کا روادار نہ ہو کہ مہلت نماز دی جائے ایک ساعت کے لیے بھی جنگ موقوف کی جائے تیسرے کمال بے حیائی یہ ہے کہ بعض نے جہلاء ...

تمھاری نماز مقبول نہیں جس سے جہاں ان اشقیا کی کمال درجہ شقاوت معلوم ہوئی وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب امام حسینؑ کی خاص نماز تھی جو ان لوگوں کے عہد میں قابل قبول نہ تھی۔ **چوتھے** یہ کہ امام علیہ السلام نے اسی حالت خوف کی نماز میں بھی اذان و اقامت فرمائی جو اُن کے پیرووں کے لئے نہایت قابل غور اور لائق تقلید ہے اس سے معلوم ہوا کہ اذان و اقامت نماز کے لئے کتنی ضروری ہیں **پانچویں** یہ کہ ان یزیدی مسلمانوں نے اذان و اقامت کہنے پر بھی نماز پڑھنے نہ دی کہ اصحاب امام حسینؑ کو اس کے بعد لڑنا پڑا یہاں تک کہ حبیب بن مظاہر شہید ہوئے اور زہیر بن قین نے جب فوج کو مار کر بھگا دیا تب نماز پڑھنے پائے **چھٹے** یہ معلوم ہوا کہ جناب امام حسینؑ کے رفقا کیسے مومن کامل تھے کہ ایک شخص اُن کا تمام قرآن کو ایک رات میں تمام کرتا تھا۔ اور طرفداران یزید کون تھے شرابخوار و بدکار **ساتویں** یہ کہ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھی گئی **آٹھویں** یہ کہ نماز جماعت ادا کی گئی جس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کیسا عظیم ہے اب وہ لوگ غور کریں جو بلا سبب نماز جماعت سے پرہیز کرتے ہیں۔ **نویں** حبیب بن مظاہر کی غیرت و حمیت قابل غور ہے کہ محض عبداللہ بن بشیر کی دریدہ دہنی پر اتنا غصہ آیا کہ اُس سے انتقام لینے کو مقدم سمجھا **دسویں** ان لوگوں کا طالب حق ہونا کہ مطلوب اُن کا حق تھا چنانچہ امامؑ سے سوال کیا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ جس پر امامؑ نے حق کی قسم کھائی جس سے معلوم ہوا کہ کس درجہ حق اُن پر واضح تھا اور کیسے حقیقت کے شائق تھے۔

غرض یہ واقعہ صرف تاریخ الاذان ہی میں عجیب نہیں ہے بلکہ تواریخ عالم میں عجیب و غریب ہے۔

دوسرا واقعہ

صاحب مناقب وغیرہ نے لکھا ہے...

روایت کی گئی ہے کہ یزید نے حکم دیا کہ منبر لایا جائے اور خطیب بلایا جائے تاکہ لوگوں سے حسینؑ اور اُن کے پدر بزرگوار کی برائیاں بیان کرے اور اُن کے فضائل کی منقصت کرے پس خطیب بالائے منبر گیا اور حمد و ثنائے الٰہی کرکے علیؑ و حسینؑ کی حد سے زیادہ مذمت کی اور معاویہ و یزید کی جی کھول کر مدح و ثنا کی اور ہر خوبی کے ساتھ ان دونوں کا ذکر کیا پس حضرت علی بن الحسینؑ امام زین العابدینؑ نے پکار کر اُس سے فرمایا وائے ہو تجھ پر اے تقریر کرنے والے تو نے خالق کو ناراض کرکے مخلوقات کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش اپنی جگہ آتشِ جہنم میں بنائی پھر آپ نے فرمایا اے یزید مجھے اجازت دے کہ میں اس منبر پر جا کر ایسے کلمات کہوں جن میں خدا کی خوشنودی ہے اور ان حاضرین دربار کے لئے ان کلمات کے سننے میں اجر و ثواب۔ یزید نے انکار کیا حاضرین دربار نے یزید سے کہا حضور انہیں اجازت دیجیے کہ یہ منبر پر جائیں تاکہ ہم لوگ ان کا کچھ کلام سن سکیں یزید نے کہا اگر یہ منبر پر جائیں گے تو بغیر مجھے رسوا کئے اور آل ابوسفیان کو ذلیل کیے نیچے نہ اتریں گے لوگوں نے کہا ان کو یہ قدرت کہاں کہ اچھی طرح کلام کر سکیں، یزید نے کہا بے شک یہ ان اہل بیتؑ سے ہیں جنھیں علم یوں بھرایا گیا ہے جس طرح طائر اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ آخر یزید نے مجبور ہو کر اجازت دی اور وہ حضرتؑ منبر پر گئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد ایسا خطبہ پڑھا جس سے آنکھیں گریاں اور دل تھرا اٹھے پھر فرمایا لوگو! ہمیں چھ چیزیں عطا ہوئی ہیں اور سات باتوں میں ہمیں فضیلت دی گئی ہے۔ ہمیں علم بردباری کشادہ دلی فصاحت شجاعت اور مومنوں کے دلوں میں محبت دی گئی اور ہمیں فضیلت دی گئی بسبب اسکے کہ پیغمبر خدا محمد مصطفےٰؐ ہم ہی میں سے ہیں۔ ہم ہی میں سے صدیق ہیں۔ ہم ہی میں سے طیار ہیں ہم ہی میں سے اسد اللہ اور اسد رسول ہیں اور ہم ہی میں سے ...

امت کے سبطین ہیں۔ جو مجھ کو پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں
پہچانتا اُسے میں اپنے حسب نسب سے آگاہ کرتا ہوں لوگو! میں فرزند مکہ و مِنیٰ
ہوں۔ میں فرزند زمزم و صفا ہوں۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس نے حجر اسود
کو اپنی ردا میں اُٹھایا۔ میں فرزند ہوں بہترین ان لوگوں کا جس نے حج
میں لنگ باندھا اور ردا اوڑھی۔ میں فرزند ہوں اُس کا جو نعلین پہننے
والوں اور برہنہ پا چلنے والوں میں سب سے بہتر تھا۔ میں اس کا فرزند ہوں
جو طواف کرنے اور سعی کرنے والوں میں سب سے بہتر تھا۔ میں اُس کا فرزند
ہوں جو حج اور لبیک کہنے والوں میں سب سے افضل تھا۔ میں اُس کا فرزند
ہوں جو براق پر سوار کیا گیا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جو شب کے وقت مسجد
حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس کو جبرئیل
نے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جو حجابِ قدس سے
انتہائی قریب ہوا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ میں اُس کا
فرزند ہوں جس نے ملائکہ آسمان کو نماز پڑھائی۔ میں اُس کا فرزند ہوں
جس کی طرف ربِ جلیل نے وحی نازل کی۔ میں محمد مصطفیٰ کا فرزند ہوں۔
میں علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس نے خلائق کی ناکوں
پر مارا یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہوئے۔ میں اُس کا فرزند
ہوں جس نے پیغمبر خدا کے سامنے دو تلواروں سے جنگ کی دو نیزوں سے
لڑائی لڑی دو ہجرتیں کیں دو بیعتیں رسولؐ کے ہاتھ پر کیں۔ بدر و حنین میں
یادگار جنگ کی اور چشم زدن کے لیے بھی کافر نہ ہوا۔ میں اُس کا فرزند ہوں
جو تمام مومنین سے نیکوکار اور تمام نبیوں کا وارث ملحدین کی گردنیں

میں رونے والوں کا تاج تمام صابروں سے بڑھ کر صابر اور آلِ یاسین
کے عبادت گزاروں میں سب سے بڑا عبادت گزار تھا میں اُس کا فرزند ہوں
جس کی تائید کی گئی جبرئیل سے اور مدد کی گئی میکائیل سے۔ میں اُس کا فرزند ہوں
جو محافظ تھا حرم مسلمین کا، جو قاتل تھا دین سے خارج ہونے اور شکستِ بیعت
کرنے والوں کا جس نے جہاد کیا ناصبین اور دشمنانِ خدا سے جو تمام قریش
میں سب سے زیادہ عزت و افتخار والا تھا جس نے مومنین میں سب سے پہلے خدا
و رسولؐ کی آواز پر لبیک کہی جس نے اسلام کی طرف سب سے پہلے سبقت کی جو
سرکشوں کو تہس نہس کرنے والا اور مشرکین کو تباہ و برباد کرنے والا منافقین
پر خدا کے تیروں میں سے ایک تیر اور حکمت عابدین کی زبان تھا جو دین خدا
کا مددگار خدا کا ولی حکمت خدا کا بستان اور اس کے علم کا خزینہ تھا
جو انتہائی دریادل سخی تمام خوبیوں کا مجسمہ پاک و پاکیزہ ابطحی پسندیدہ
دشمنوں پر بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا مبارک و مسعود صابر و ثابت قدم
استوار کرنے والا دشمنوں کی صفوں کا قاطع مشرکین کی جمعیت کو پراگندہ
کرنے والا سب سے زیادہ جہاد میں مضبوط قلب قوی دل دشمن کا لپکا اور قابو
میں نہ آنے والا بہادر تھا ایسے شیر حق کی طرح پیس ڈالتے تھے دشمنوں کو
معرکہ میں جس وقت صفیں ہوتی تھیں نیزے ہیں اور قریب ہوتی تھیں عنانیں اور
متفرق و پراگندہ کر دیتے تھے انھیں جس طرح تیز ہوا خس و خاشاک کو پراگندہ
کر دیتی ہے جو حجاز کے شیر عراق کے سید سردار مکی، عربی، خیفی، عقبی، بدری، احدی
اور مہاجری تھا اہل عرب کے سردار اور معرکہ جنگ میں ان کے شیر مشعرین کے وارث
سبطین پیغمبر حسنؑ و حسینؑ کے والد ماجد وہ تھے میرے دادا علیؑ ابن ابی طالبؑ
پھر فرمایا:- میں ہوں فرزند فاطمہ زہراؑ کا میں ہوں فرزند سیدۃ النساء کا۔ اسی طرح

مسلسل آپ فرماتے رہے میں محمد...... میں علی...... یہاں تک کہ
لوگوں نے چیخیں مار کے رونا شروع کیا۔ یزید ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کوئی فتنہ
برپا ہو جائے۔ اُس نے مؤذن کو اذان کا حکم دیا کہ حضرت کا کلام قطع کر دے
مؤذن نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر امام نے فرمایا کوئی شے اللہ سے
بزرگتر نہیں پھر جب مؤذن نے کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ
امام نے فرمایا میرے بال میری جلد میرا گوشت میرا خون اس کی گواہی
دیتا ہے۔ پھر جب مؤذن نے کہا اشہد ان محمد رسول اللہ
آپ یزید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے یزید یہ محمد تیرے جد تھے یا
میرے اگر تو نے یہ دعویٰ کیا کہ تیرے جد تھے تو تو نے جھوٹ کہا اور کفر کیا
اور اگر کہے کہ میرے جد تھے پھر کیوں تو نے اُن کی اولاد کو قتل کیا۔ راوی
بیان کرتا ہے کہ مؤذن نے اذان تمام کی اقامت کہی پھر یزید نے ظہر کی نماز پڑھی
صاحب مناقب بیان کرتے ہیں کہ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ یزید کے دربار
میں علمائے یہود سے ایک عالم بھی موجود تھا اس نے یزید سے پوچھا حضرت یہ
کون لڑکا ہے یزید نے کہا یہ علی بن الحسین ہیں اُس نے پوچھا حسین کون
یزید نے کہا علی ابن ابی طالب کے فرزند اس نے پوچھا حسین کی ماں کون تھیں
یزید نے کہا فاطمہ دختر پیغمبر تھیں یہودی عالم نے کہا سبحان اللہ تو حسین تمہارے
نبی کے نواسے تھے جن کو تم لوگوں نے اتنا جلد قتل کر ڈالا تم لوگوں نے
اپنے نبی کے بعد اُن کی اولاد کے ساتھ کتنا بُرا سلوک کیا خدا کی قسم اگر جناب
موسیٰ ہم لوگوں کے درمیان اپنی کوئی صلبی اولاد چھوڑ جاتے تو ہمارا خیال
ہے کہ ہم سب خدا کے بجائے اسکی پرستش کرتے ابھی کل تمہارے نبی نے انتقال

تم لوگ۔ یزید نے اُس یہودی کے متعلق اپنے آدمیوں کو حکم دیا جس کی بنا پر تین مرتبہ اس کا گلا گھونٹا گیا وہ عالم یہ کہتا ہوا اٹھا کہ تم لوگ مجھ کو مارو چاہے قتل کر ڈالو یا مجھے چھوڑ دو میں نے اپنی توریت میں یا تا پایا ہے کہ جو شخص کسی نبی کی ذریت کو قتل کرے گا جب تک زندہ رہے گا اس پر لعنت ہوتی رہے گی اور جب مر جائے گا خداوند عالم آتش جہنم میں داخل کرے گا۔

اس واقعہ کو شیخ ابو اسحاق اسفرائنی نے جو اکابر علمائے اہلسنت سے ہیں اپنی کتاب نور العین فی مشہد الحسین میں معمولی اختلاف کے ساتھ لکھا ہے امام زین العابدینؑ کا خطبہ درج کرنے کے بعد علامہ اسفرائنی لکھتے ہیں:۔

"راوی کا بیان ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا جب یہ خطبہ مسلمانوں نے سنا تو لوگوں نے ڈاڑھیں مار کر رونا شروع کیا یزید نے چاہا کہ کس طرح امام زین العابدینؑ کی یہ تقریر قطع ہو جائے اس نے اپنے مؤذن کو حکم دیا کہ اذان کہے اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ کے بعد مؤذن نے اشھد ان محمدا رسول اللہ کہا تو امامؑ نے قسم دے کر اس کو چپ کرا دیا اور یزید کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے یزید یہ محمدؐ تیرے جد ہیں یا میرے۔ اگر میرے جد ہونے کا اقرار کیا تو سچ کہا اور اگر اپنا جد کہا تو تو نے جھوٹ کہا یزید نے اقرار کیا کہ نہیں بلکہ آپ کے جد ہیں تب حضرتؑ نے کہا پھر کیوں تو نے ان کی اولاد کو قتل کیا اور ان کے اہلبیتؑ کو اسیر کیا۔ یزید ساکت ہو گیا اور تمام مجمع میں شور ... ... عبد الملک ... کہا اسلام میں نہایت سخت مصیبت ہے اس وقت یزید کو خوف ہوا کہ کہیں مجمع اس کا طرفدار نہ ہو جائے اور لوگ مجھے قتل نہ کر ڈالیں اس نے کہا لوگو! تم خیال کرتے ہو کہ میں نے حسینؑ کو قتل کیا ہے خدا لعنت کرے ان کے قاتل پر۔ ان کا قاتل عبید اللہ بن زیاد ہے جو ہمارا عامل ...

بصرہ کا عامل ہے اس کے بعد یزید نے حکم دیا کہ جو لوگ سرہائے شہدا لائے ہیں ان کو بلا کر گواہی لو اور پوچھو جب سب طلب ہوئے تو پہلے شبث بن ربعی سے پوچھا گیا اُس نے کہا تو نے حکم نہیں دیا تھا خدا قاتل حسینؑ پر لعنت کرے یہ گواہیاں جب سلسلہ وار حصین بن نمیر تک پہونچیں تو اُس نے بھی پہلے یہی کہا پھر یزید سے کہا کیا تو واقعی چاہتا ہے کہ میں بتاؤں کس نے حسینؑ کو قتل کیا۔ یزید نے کہا ہاں۔ حصین نے کہا تو مجھے امان دو۔ یزید نے کہا تمھیں امان دی جاتی ہے حصین نے کہا امیر یہ سمجھ لے کہ جس نے لشکر مرتب کئے نشان مقرر کئے مال و دولت خرچ کی۔ فرمان بھیجے وعدہ وعید کئے وہی قاتل حسینؑ ہے یزید نے پوچھا وہ کون شخص ہے؟ حصین بن نمیر نے کہا "تو" یہ جملہ سن کر یزید غضبناک ہوا اور اپنے حرم سرا میں چلا گیا۔

اذان کے متعلق یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جبکہ امام حسینؑ شہید نہیں ہوئے تھے حضرت عثمان کی بیٹی عائشہ نے جناب سکینہؑ کے مقابلہ میں ایک مرتبہ فخر کیا کہ میں شہید کی بیٹی ہوں اُس پر جناب سکینہؑ خاموش ہو رہیں جب مؤذن نے اذان شروع کی اور اشھد ان محمداً رسول اللہ کہا تو حضرت سکینہؑ نے عثمان کی بیٹی سے کہا یہ محمد میرے جد ہیں یا تیرے؟ دختر عثمان نے کہا اب کبھی میں آپ کے مقابلہ میں فخر نہ کروں گی۔

یہ روایت بھی کسی معتبر کتاب میں نہیں ملی اس لئے ہم نے مختصر ذکر کیا۔

تیسرا واقعہ

اس کے لئے میں کوئی زمانہ نہیں معین کر سکتا یہاں یزید کا ایک شعر بتانا ہے جس میں اُس نے اذان کا ذکر کیا ہے یزید کے ان اشعار سے تمام طور پر علمائے اہلسنت نے یزید کے کفر و فسق پر استدلال کیا ہے وہ شعر یہ ہے:۔

شغلتنی نغمۃ العیدات   عن صوت الاذات

اس شعر کے ساتھ چند اشعار اور ہیں:۔

معشر الندمان قوموا   واسمعوا صوت الاغانی

واشربوا کاس عل مدام ۔۔۔ واترکوا ذکر المعانی
شغلتنی نغمة العیدان ۔۔۔ عن صوت الاذان
وتعوضت عن الحوس ۔۔۔ عجوزا فی الزمان

"اے ہمنشینو! اٹھو سبھو گانے کی آواز سنو۔ ہر جام شراب پیو اور بزرگیوں کا ذکر رہنے دو۔ ستار کی آواز نے مجھے اذان کی آواز سے بے پروا کر دیا۔ حور کے بدلے مجھے زمانہ کی بڑھیا نصیب ہو گئی۔"

یزید کے اس قسم کے بے شمار اشعار ہیں جن سے اس کی کمال درجہ کی بے دینی بلکہ قطعی کفر ثابت ہے چنانچہ ابن الجوزی حنبلی اپنے رسالہ رد المتعصب العنید میں لکھتے ہیں:۔

جب سر مبارک امام حسینؑ کا یزید کے سامنے لایا گیا تو اس نے ابن الزبعری کے یہ اشعار بطور مثل پڑھے:۔

لیت اشیاخی ببدر شھدوا ۔۔۔ جزع الخزرج من وقع الاسل
لاھلوا واستھلوا فرحا ۔۔۔ ثم قالوا لی یزید لا تشل

"جو شیوخ ہمارے بدر میں قتل ہوئے کاش آج زندہ ہوتے اور خزرج والوں کا نیزوں کے وار سے گھبرانا دیکھتے وہ یہ منظر دیکھ کو خوشی سے چیخ پڑتے اور کہتے کہ تمھارے ہاتھ شل نہ ہوں۔"

امام مجاہد فرماتے ہیں:۔

"یزید نے ان اشعار میں پورے طور پر اپنا نفاق ظاہر کیا جس سے تمام رعایا اور اہل لشکر نے اس کی ملامت کی یہ اشعار وہ ہیں جنھیں ابن الزبعری نے واقعہ بدر و احد کے متعلق نظم کیا تھا کیونکہ جنگ بدر میں بہت سے مشرکین و کفار مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور جنگ احد میں بہت سے مسلمان کافروں کے ہاتھ سے شہید ہوئے اسی کو ابن الزبعری نے نظم کیا ہے

اور یزید نے ان اشعار کو شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق پڑھا جو اسکی رسوائی و ذلت کے لئے کافی ہے۔ تمام ہوا کلام مجاہد"

ان اشعار کی ابتدا ان اشعار سے ہے۔

لعبت ھاشم بالملک فلا ۔۔۔ خبر جاء ولا وحی نزل

لست من خندف ان لم انتقم ۔۔۔ من بنی احمد ما کان فعل

بنی ہاشم نے حکومت کا ایک کھیل کھیلا تھا ورنہ نہ کوئی خبر آئی اور نہ وحی نازل ہوئی۔

میں خندف کا جنا نہیں اگر احمد کی اولاد سے ان کے کرتوت کا بدلہ نہ لوں۔

یزید کا یہ اشعار پڑھنا بیّن ثبوت ہے اس کا کہ یزید کا بھی وہی عقیدہ تھا جو اس کے دادا ابو سفیان کا تھا کہ نہ رسالت ہے نہ نبوت نہ وحی کا نزول ہوا صرف ملک گیری کے لیے یہ سب کچھ کیا گیا۔

علامہ ابن عبد ربہ قرطبی نے اپنی کتاب عقد فرید میں ان اشعار کو واقعہ حرہ کے متعلق لکھا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:۔ "مسلم ابن عقبہ افواج شام کے سپہ سالار نے اہل مدینہ کے سر یزید کے پاس بھیجے جب وہ سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اُس نے ابن الزبعری کے یہ اشعار لیت اشیاخی الخ بطور مثل پڑھنا شروع کئے۔

صحابہ پیغمبرؐ سے ایک شخص نے کہا تم مرتد ہو گئے اسلام سے اے امیر المومنین۔ یزید نے کہا ہاں ہم استغفار کر لیں گے۔

اس صحابی نے قسم کھائی کہ اب ہم کبھی اس جگہ نہ رہیں گے جہاں تم رہو گے یہ کہہ کر باہر چلے گئے۔ (عقد فرید جلد ۲ ص۲۴۴)

حیرت ہے کہ صحابی رسولؐ اسکو مرتد کہہ رہے تھے اور وہ بھی اپنے ارتداد کا اقرار کرتا ہے پھر بھی امیر المومنین کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں افسوس!!!

جب اہل بیت کا لٹا ہوا قافلہ دمشق میں پہونچا تو اُس وقت یزید اپنے محل جیرون میں تھا جو جامع اموی کی راہ میں ہے یزید نے قافلہ کے آنے کی خبر سُن کر یہ اشعار پڑھے

لما بدت تلك الحمول واشرفت | تلك الشموس علی ربی جیرون
نعت الغراب فقلت نح اولا تنح | فلقد قضیت من النبی دیونی

جب وہ سواریاں ظاہر ہوئیں اور اُن آفتابوں کی شعاعیں قصر جیرون کی چوٹیوں پر پڑیں۔ تو کوے نے چیخ کر سنائی سنائی۔ میں نے کہا نوحہ کر یا نوحہ نہ کر میں نے تو پیغمبر سے اپنے قرضے چکالئے۔

تذکرہ میں ہے قال الزهری لما جائت الرؤس کان یزید فی منظرہ علی جیرون فانشد لنفسه لما بدت الخ

زہری کا بیان ہے کہ جب سرہائے شہداء آئے تو اس وقت یزید جیرون کے جھروکہ میں تھا اس نے یہ اشعار پڑھے لما بدت الخ جب وہ سواریاں آتی نظر پڑیں

جس سے صاف معلوم ہوا کہ یزید پیغمبر خدا کو اپنے مقتولین کے خون کا مقروض سمجھتا تھا کہ سرہائے شہداء دیکھ کر کہتا ہے آج میں نے رسول سے اپنا قرضہ وصول کرلیا۔

اس قسم کے اشعار جن میں یزید نے کفریات بکے ہیں اگر لکھے جائیں تو ایک دفتر تیار ہو جائے لہٰذا اختصار مناسب ہے۔ اس اذان کے متعلق ابوسفیان۔ معاویہ۔ یزید کے خیالات ظاہر ہو چکے ناظرین ان اشعار کو دیکھنے کے بعد فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ گھرانا مسلمان تھا یا کافر۔

خلافت عبداللہ بن الزبیر

اگر چہ اس کی ابتداء یزید کی خلافت سے ہے مگر مانی گئی بعد یزید کے۔ ان کی خلافت کے متعلق اس قدر تو اکثر تاریخوں میں لکھا ہے کہ چالیس روز تک پیغمبر خدا کا نام خطبہ سے نکال دیا گیا۔ ابن الزبیر نہ حضرت کا نام لیتے نہ درود و سلام کہتے اس لئے کہ اس نام کے

بنی ہاشم کو ایک طرح کی خوشی ہوتی تھی جس سے گمان کیا جا سکتا ہے کہ اذان سے علی حضرت کا نام نکال دیا گیا ہوگا مگر کسی روایت میں ابھی اس کی تصریح نہیں دیکھی گئی ہاں ابن الزبیر کی نسبت یہ بھی مذکور ہے کہ وامن الزبیر ومن وراۂ حتی ان المسجد یعنی ابن الزبیر نے نماز میں آمین کی اور ان لوگوں نے جو ان کے پیچھے تھے یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھی (صبابۃ المقتصدین) اور آئندہ چل کر معلوم ہوگا کہ اس ایجاد کی نسبت ابو ہریرہ کی طرف ہے جو زمانہ معاویہ میں مروان حاکم مدینہ کے موذن تھے۔

خلافت مروان

یہ خلافت درمیان خلافت ابن الزبیر اور عبدالملک قرار پائی جو بحیثیت خلافت بھی نہیں قبول کی گئی تاہم اس کے آثار اذان کے متعلق اب تک موجود ہیں کیونکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ عیدین کا خطبہ مقدم کرنے والوں میں مروان کا نام بھی حضرت عثمان اور معاویہ کے ساتھ لیا جاتا ہے مزید براں آمین کے مسئلہ میں بھی اسی مروان کا نام آتا ہے چنانچہ حافظ احمد علی صاحب حاشیہ بخاری میں عمدۃ القاری سے نقل کرتے ہیں۔

ابو ہریرہ موذن تھے مروان کے اور شرط کی تھی کہ مروان والاالضالین اس وقت کہے جب اسے معلوم ہو جائے کہ ابو ہریرہ بھی داخل نماز ہو گئے ہیں جب مروان ولاالضالین کہتا تو ابو ہریرہ باواز بلند آمین کہتے اور کہا کرتے کہ زمین والوں کا آمین کہنا جب آسمان والوں کے آمین کے موافق ہوتا ہے تو وہ لوگ بخش دیے جاتے ہیں۔

یہ مسئلہ بھی عجیب اختلافی مسائل سے ہے جس میں حنفیوں اور اہلحدیث نے اس قدر اختلاف کیا ہے کہ شاید ہی کوئی ان اختلافات سے ناواقف ہو حالانکہ اصلیت وہی قدر معلوم ہوتی کہ محض اس غرض سے کہ مروان بغیر میرے نماز میں شریک ہوئے کہیں رکوع میں نہ چلا جائے ابو ہریرہ یہ لفظ آمین کہتے تھے اس کو صحابہ پرستوں نے نماز کا ایک رکن تصور کر لیا حالانکہ اس کی کوئی اصلیت نہ تھی۔

ایک روایت ابوہریرہ سے منقول ہے کہ وہ موذن تھے اور امام سے شرط کی تھی کہ جب تک میں نماز میں نہ شریک ہو جاؤں ولا الضالین نہ کہے شاید وہ درستی صف وغیرہ میں مصروف رہتے۔ سعید بن منصور ناقل ہیں کہ ابوہریرہ بحرین میں موذن تھے اور امام جماعت علاء بن حضرمی تھے۔ عقد الثمین ص ۹

اسی مروان کی ایجاد میں یہ بھی ہے کہ نماز جماعت میں امام کے پیچھے قرأت کی۔ امام مالک کی موطا میں ہے۔

"وہ پہلا وہ شخص جس نے نماز جماعت میں امام کے پیچھے قرات کی وہ ایک مرد متہم ہے"

اس کی تشریح کرتے ہوئے مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھتے ہیں مراد اس سے مروان ہے اور ابن سعد کی روایتیں اس مضمون کی امام الکلام میں موجود ہیں کہ مروان ہی پہلا وہ شخص ہے جس نے امام کے پیچھے قرأت کی۔

یہ مسئلہ بھی اہلسنت کے یہاں نہایت اختلافی ہے بعض حنفی قائل ہیں کہ مقتدی نماز جماعت میں سورہ حمد کو نہ نماز جہر میں پڑھے نہ اخفات میں یعنی امام خواہ باآواز نماز پڑھے یا آہستہ ہر حال میں ماموم کو خاموشی کے ساتھ امام کو پڑھتے سننا چاہیے قرأت کرنی نہ چاہیے شافعی قائل ہیں سری اور جہری دونوں میں ماموم کو قرأت کرنی چاہیے۔ مالکی قائل ہیں کہ سری میں قرأت کرے اور جہری میں نہ کرے۔

حنفی حضرات جو قرات کے قائل نہیں ان میں بھی اختلاف ہے بعض قرات کو مکروہ بتاتے ہیں بعض حرام کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ قرات سے نماز ہی باطل ہو جاتی ہے اسکی تفصیل امام الکلام مولفہ مولوی عبدالحی میں دیکھیے۔

یہاں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اختلاف کی جڑ مروان کی بدولت قائم ہوئی جس نے یہ ایجاد کیا کہ نماز جماعت میں ماموم قرات کرے جس پر مختلف قسم کی حدیثیں ڈھلنے لگیں جن کا انبار آج ہر صاحب فہم کو متحیر کر دیتا ہے اور ناواقفوں کو اصل اسلام میں شبہ

پیدا ہو جاتا ہے جو یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کے اقوال میں اور اصل اسلام میں کیا فرق ہے۔
یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مروان کے اقوال کا اثر صرف حنفی و شافعی مالکی کی فقہیات ہی تک محدود ہے کیونکہ اس مروان کی حدیثیں صحاح ستہ میں بھی قبول کی گئی ہیں جیسا کہ تاریخ کامل میں ہے وقد اخرج حدیث مروان فی الصحیح البخاری۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صـ۷۵)

صحیح بخاری میں مروان کی حدیث موجود ہے مگر امام جعفر صادقؑ کی ایک روایت بھی اس میں ڈھونڈھے سے نہ ملے گی بخاری صاحب امام جعفر صادقؑ کے متعلق فرماتے ہیں اجد فی نفسی شئی میں امام جعفر صادق کے متعلق اپنے نفس میں ایک چیز محسوس کرتا ہوں۔ لطف یہ کہ تمام اہل سنت اس کے بھی قائل ہیں کہ رسول اللہؐ نے اس مروان پر متعدد مرتبہ لعنت فرمائی پھر بھی اس کے افعال و اقوال شریعت اہل سنت میں قابل قبول سمجھے گئے۔
تاریخ کامل میں ہے وقد رویت اخبار کثیرۃ فی لعنہ ولعن من صلبہ رواھا الحافظ یعنی بہت سی روایتیں اس بارے میں منقول ہیں کہ حضرت پیغمبر خدا نے مروان کے باپ حکم پر اور اسکی اولاد پر لعنت فرمائی۔

پھر لکھتے ہیں وولی المدینۃ لمعاویہ مرات فکان اذا ولی یبالغ فی سب علی واذا عزل وولی سعید بن العاص کف عنہ (تاریخ کامل جلد ۴ صـ۷۵)

مروان کئی مرتبہ منجانب معاویہ مدینہ کا حاکم ہوا اور جب حکومت اس کو ملتی تھی حضرت علیؑ پر سب و شتم میں بہت مبالغہ کرتا اور جب وہ معزول ہوتا اور اس کی جگہ سعید بن عاص مقرر ہوتا تو دشنام دہی کو موقوف کر دیتا۔

افسوس کہ جس شخص پر رسول اللہؐ اس طرح لعنت فرمائیں اور وہ اسلام میں الیسا رخنہ ڈالے کہ حضرت عثمان اسی کی فتنہ پردازیوں کی بدولت قتل ہوئے اسی مروان

کی امور شرعیہ میں پیروی کی جائے اس کی حدیثیں سر آنکھوں پر رکھی جائیں اور ان کو صحاح ستہ میں جگہ دی جائے۔ آپ ہی غور فرمائیں اس کے پیرو سنت رسول کے عامل ہیں یا سنت مروان کے۔ جس قدر اختلافات آمین بالجہر یا قرآت ماموم وغیرہ کے متعلق آپ حنفیوں اور اہل حدیث کی کتابوں میں ملاحظہ فرماتے ہیں ان تمام اختلافات کی بنیاد اسی مروان کے فعل پر ہے۔

خلافت عبدالملک

اس خلافت کی صحت باضابطہ بعد قتل ابن زبیر مانی جاتی ہے مگر اس بے ضابطگی ہی کے زمانہ میں اذان سے متعلق قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ عمرو بن سعید اشدق کو جو خاندان بنی امیہ ہی کا ایک اعلیٰ ممبر تھا اور اہل شام اس کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور مروان ولی عہد بھی مقرر کر چکا تھا عبدالملک نے یہ مکر و فریب اپنے قصر میں بلایا قید کر کے زخمی بھی کر چکا تھا کہ مؤذن کی اذان سن کر مسجد گیا اور اپنے بھائی سے کہتا گیا میرے آنے تک اس موذی کا کام تمام کر ڈالنا مگر عبدالملک کے بھائی نے اس کی منت و سماجت پر رحم کیا کہ اس طرح مقید رہنے دیا عبدالملک جب واپس آیا تو اس نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔

عبدالملک کے حالات میں مذکور ہے کہ اس نے غضیف بن حرث ثمالی سے کہا۔ اے ابو اسماء میں نے لوگوں کو دو باتوں پر متحد کر دیا ہے اور میری کوشش سے سبھی نے ان دونوں باتوں پر اجماع کر لیا ہے ایک یہ کہ بروز جمعہ دعا کے لئے لوگ اپنے ہاتھ بلند کریں دوسرے یہ کہ بعد نماز صبح و عصر وعظ ہوا کرے۔

غضیف نے جواب دیا جہاں تم لوگوں کی اور بدعتیں ہیں اسی قبیل سے یہ بھی ہے میں اس کو نہیں قبول کر سکتا۔

عبدالملک نے پوچھا کیوں؟ غضیف نے کہا اس وجہ سے کہ حضرت پیغمبر خدا نے

فرمایا ہے جہاں کوئی بدعت قائم ہوتی ہے وہاں ویسی ہی ایک سنت محو ہوتی ہے تو سنت کے ساتھ تمسک بہتر ہے بدعت ایجاد کرنے سے۔

اس روایت کو امام ابوشامہ نے اس فصل میں لکھا ہے جس کی نسبت لکھتے ہیں۔

"منجملہ ان بدعتوں کے جو عام طور سے مشہور ہیں کہ وہ سنت ہیں وہ امور ہیں جن کے عوام اور انھیں عوام کے مانند جو اہل علم ہیں منبروں پر مرتکب ہوتے ہیں جو ایسی جگہ ہے جہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہونا چاہیئے۔ قیامت سے ڈرائیں دنیا سے نفرت اور آخرت کی طرف رغبت دلائیں یہ مقامات زیادہ تر اس قابل ہیں کہ بدعتوں سے احتراز کیا جائے سنت ظاہر کی جائے مگر افسوس انھیں مقاموں پر زیادہ تر ان بدعتوں کا رواج ہوتا ہے منجملہ ان بدعتوں کے خطیب کا یہ عمل ہے کہ جب منبر پر چڑھنے لگتے ہیں تو منبر کو تلوار یا عصا سے مو دفعہ ٹھوکر دیتے ہیں تھوڑا تھوڑا فاصلہ دے کر۔

(۲) اور قبل اس کے کہ وہ نمازیوں کی طرف مخاطب ہوں اور خطبہ سے پہلے سلام انہیں دیر تک دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں۔

(۳) وقت دعا ہاتھوں کو بلند کرتے ہیں یہ بدعت قدیم ہے۔

(اس بدعت کے بدعت قدیم ہونے پر وہ روایت لکھی جس میں عبد الملک کے ایجاد کرانے کا مضمون ہے)

(۴) جب امر و نہی کو بیان کرتے ہیں تو دائیں بائیں مڑتے ہیں۔

(۵) جب رسول اللہ پر صلوٰۃ و سلام شروع کرتے ہیں تو ایک زینہ اور چڑھ جاتے ہیں اور فارغ ہو کر پھر ایک زینہ نیچے اتر آتے ہیں۔

یہ کل امور بدعت سے ہیں کیونکہ خطیب کو ابتدا سے انتہا تک حاضرین کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔

(۶) یہ بھی نہ چاہیئے کہ حضرتؐ پر صلوٰۃ و سلام کہتے وقت دائیں بائیں مڑیں۔

(۷) یہ بھی بدعت ہے جو حضرتؐ پر صلوٰۃ کہتے وقت بہ تکلف اپنی آواز کو بلند کرتے ہیں یہ بالکل حکم شرع کے خلاف ہے جاہلوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ حضرتؐ پر درود بھیجنے میں آواز کا بلند کرنا بہتر ہے حالانکہ یہ جہالت ہے کیونکہ درود بھیجنا بھی دعا ہے اور اکثر دعاؤں میں آواز آہستہ رکھنا مستحب ہے عموماً اور جہاں جہر کا حکم دیا ہے جیسے قنوت وغیرہ وہاں بھی اس کا حکم نہیں کہ آواز بلند کی جائے تو درود میں آواز بلند کرنے کا حکم کہاں سے آیا ہرگز شریعت میں اس کا حکم نہیں ہے (کتاب الباحث ص۳۵)۔

یہ بحث ہم نماز جمعہ کی دوسری اذان کے ضمن میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں البتہ یہاں یہ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کے بعد اس کا اصل موجد عبدالملک ہے جس پر بعد کے ملاؤں نے اور بہت سی بدعتوں کا اضافہ کیا۔ لہذا یہ دعویٰ قطعی طور پر درست ہے کہ عام طور پر فقہاء اہل سنت کا دارومدار اکثر ان احکام پر ہے جنھیں مروانی خلفاء نے اپنے دوران حکومت میں جاری کئے۔

امام ابوشامہ ونیس بدعتوں کے سلسلے میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ "موذنوں کا تراسل[۱] اذان میں بروز جمعہ اور ہر موذن کا متفرق طور پر اذان کہنا بدعت مکروہ ہے امام الحرمین کہتے ہیں کہ موذنوں کو تراسل نہیں مستحب ہے بلکہ اگر وقت وسیع ہو تو ترتیب وار کہیں اور اگر وقت تنگ ہو تو اطراف مسجد میں منتشر ہو کر اذان دیں کہ ہر شخص کی اذان پوری ہو اور ہر شخص سنے اور اقامت ایک ہی شخص کہے اگرچہ تعداد موذنوں کی زیادہ ہو۔ ابوشامہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اذان اول سے متعلق ہو نہ اس اذان سے جو روبروئے خطیب کہی جاتی ہے بعد اس کے کہ وہ منبر پر جاتا ہے کیونکہ اس کا موذن ایک ہی شخص ہونا چاہیئے کیونکہ غرض اس کی اقامت

---

[۱] یعنی پہلے ایک کہے پھر دوسرا کہے پھر تیسرا کہے پھر چوتھا۔ اموی عہد حکومت میں کئی کئی موذن جمعہ کی اذان دیا کرتے اس طرح کہ ایک اللہ اکبر کہتا پھر دوسرا کہتا پھر تیسرا پھر چوتھا۔

شعار اسلام ہے اور یہ بتانا کہ اب خطیب منبر پر گیا ہر شخص کو سکوت مناسب ہے اس میں ایک ہی موذن کو اذان دینا چاہیئے" (کتاب الباعث صہ ۵)

اب یہاں ہر شخص کو اس سیدھے سادے طریقہ اذان وخطبہ پر خیال کرنا چاہیئے جو شیعوں کے یہاں رائج ہے کہ بحمدہ ان کل بدعتوں سے پاک صاف ہے اور وہی طریقہ ان کے یہاں رائج ہے جو رسول نے جاری کیا اور بڑے بڑے علمائے اہل سنت اس حد پر اپنے اہل مذہب کو لانا چاہتے ہیں مگر بوجہ بے اصول ہونے کے کسی طرح کامیاب نہیں ہوتے۔

تنبیہ واضح ہو کہ اوقات استجابت دعا میں وہ وقت نہایت عظمت کا ہے جب خطیب خطبہ اوّل کے بعد تھوڑی دیر بیٹھتا ہے اور پھر دوسرے خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس وقت دعا کرنا مستحب ہے اور علمائے اہل سنت بھی اس کے قائل ہیں۔ عبدالملک والے اجماع سے اس کو تعلق نہیں اس لئے کہ ملّا علی قاری نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ بشیر بن مروان نے حالت قیامت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی تھی یا اس وقت جب خطیب منبر پر بیٹھتا ہے۔

تعجب ہے کہ ان حضرات نے اپنے یہاں کی اکثر بدعتوں کو لکھا اور اس کے دفعیہ کی فکر کر رہے ہیں مگر اس بدعت پر کسی کو توجہ نہیں ہوتی کہ دوسرے خطبہ میں منبر پر حکام جور کا ذکر کیا جاتا ہے۔ نیز اور بہت سی بدعتیں اس میں اضافہ کی گئی ہیں جنھیں سابقاً ہم بیان کر چکے ہیں۔

ابوالفرج اصفہانی اپنی کتاب اغانی میں اسی عبدالملک کے زمانہ خلافت کا ایک واقعہ اذان سے متعلق لکھتا ہے کہ عبدالملک نے حرث بن خالد کو مکہ کا حاکم مقرر کیا موذن نے اذان دی اور حرث مسجد الحرام میں آیا چاہا کہ نماز شروع کریں کہ عائشہ بنت طلحہ نے کہلا بھیجا ابھی میرا طواف تمام نہیں ہوا توقف کرو وکان یتعشقھا فامر المؤذن فکف عن الاقامۃ چونکہ یہ حرث عائشہ کا عاشق تھا اس لئے موذن کو حکم دیا کہ ابھی اقامت نہ کہے جب تک عائشہ طواف سے فارغ نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس وقت تک سب نماز کو بیٹھے

رہے نماز اقامت بند رہی جب یہ خبر عبد الملک کو پہونچی تو اس نے حرث کو معزول کر دیا۔
یہ واقعہ صرف اس غرض سے لکھا گیا کہ کوئی واقعہ متعلق اذان رہ نہ جائے۔

خلافت ولید بن عبد الملک اس خلافت کا نفس اذان میں تو کوئی اضافہ نہیں معلوم ہوتا مگر گلدستہ اذان کی ایجاد اسی کی طرف منسوب ہے جس کے بعد پھر روایتوں کی بھرمار بھی شروع ہو گئی جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی ولید کے بارے میں عمر بن عبد العزیز کہا کرتے۔ ولید شام میں۔ حجاج عراق میں۔ عثمان بن حبارہ حجاز میں قرہ بن شریک مصر میں قسم بخدا زمین ظلم و جور سے بھر گئی۔ (تاریخ الخلفا صـ ۱۵۲)

افسوس اسی زمانہ کے متعلق عام طور پر اہلسنت کے یہاں یہ مقولہ کہا جاتا ہے "بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ زمانہ جو صحابہ کا زمانہ ہے پھر وہ زمانہ جو تابعین کا ہے پھر وہ زمانہ جو تبع تابعین کا ہے" اس زمانہ میں صحابہ اور تابعین دونوں موجود تھے۔

ولید کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے لما وضعت الولید فی لحدہ اذا ھو یرکض فی اکفانہ یعنی ضرب الارض برجلہ (تاریخ الخلفا صـ ۱۵۲) یعنی ولید کو قبر میں رکھا گیا تو کفن میں ہاتھ پیر مارنے لگا۔ تاریخ کامل میں ہے کہ جنازہ ہی میں دونوں گھٹنے اس کے گردن سے مل گئے جس پر اس کے بیٹے نے کہا ابا جان زندہ ہو گئے عمر بن عبد العزیز نے کہا نہیں بلکہ خدا نے اس کے عذاب میں جلدی کی۔ (تاریخ کامل جلد ۵ صـ ۳)

سلیمان بن عبد الملک کی خلافت میں کوئی خاص واقعہ اس اذان کے متعلق قابل ذکر نہیں ملتا مگر اس کا بڑا احسان یہ ہے کہ نماز کی پابندی وقت کی اس نے کوشش کی اس کے ما قبل خلفائے بنی امیہ نے تاخیر نماز کو رواج دیا تھا (تاریخ الخلفا صـ ۱۵۳)

اس خلیفہ نے اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے میں اسی سنت کا احیا کیا جس کی ایجاد حضرت ابوبکر نے کی تھی کہ وصیت نامہ پر بیعت لی کیونکہ حضرت عمر کی بیعت بھی اسی طرح ہوئی تھی۔ فرق اس قدر ہے کہ وہاں حضرت عمر کا نام قبل بیعت لینے کے ظاہر کیا گیا اور عمر بن عبدالعزیز کا نام بعد وصیت پر بیعت لینے کے بعد ظاہر کیا گیا (تاریخ الخلفا صـ ۱۵۴)

معلوم ہوتا ہے اس نام ہی کے خواص سے ہے کہ اس کی خلافت اسی طرح قائم ہو۔

عمر بن عبدالعزیز کی خلافت بھی اذان سے متعلق کسی قابل ذکر واقعہ سے خالی ہے ہاں مسجدوں کے محراب کی ایجاد البتہ ان کی طرف منسوب ہے۔ یہ خلیفہ زہر دے کر مارا گیا۔ (تاریخ الخلفا صـ ۱۶۰)

یزید بن عبدالملک سنہ ۱۰۱ھ میں خلیفہ ہوا پہلے قصد کیا کہ عمر بن عبدالعزیز کی روش پر چلیں مگر ۴۰ شیوخ اہل سنت نے آکر گواہی دی کہ خلفا پر حساب کتاب نہیں ہے لہذا اس نے وہ روش چھوڑ دی اور اپنے آبائی طریقہ ظلم و جور کو اختیار کیا۔ اذان کے متعلق کوئی واقعہ اس کا بھی ایسا جو قابل ذکر ہو۔

ہشام بن عبدالملک کی خلافت سے مروان کے اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی جو دیکھا تھا کہ محراب میں چار مرتبہ پیشاب کیا ہے جس کی سعید بن مسیب نے یہ تعبیر دی تھی کہ تیرے نطفہ سے چار شخص خلیفہ ہوں گے۔ (تاریخ الخلفا صـ ۱۶۸)

اس خلیفہ کا تصرف حضرت عثمان کی اذان میں سابقاً مرقوم ہوا کہ حضرت عثمان نے بازار مدینہ میں جس نئی اذان کی ایجاد کی تھی اس کو ہشام نے موقوف کر کے مینار مسجد پر قائم کیا اور اصلی اذان میں یہ اضافہ کیا کہ پہلے تین آدمی مل کر اذان دیتے تھے اب بہت سے موذنوں کو اس میں شامل کیا۔

ابوشامہ لکھتے ہیں کہ تراسل موذنین اذان جمعہ میں اور متفرق طور پر سب کا اذان دینا بدعت مکروہ ہے پھر احیاء العلوم سے ناقل ہیں کہ موذنوں کا تراسل اذان میں کو

کلمات اذان کو خوب مد کے ساتھ ادا کریں اور حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کہتے وقت جو قبلہ سے منحرف ہو جاتے ہیں اور ہر شخص کا علیحدہ علیحدہ اذان کہنا بلا فاصلہ جس سے حاضرین جواب اذان نہ دے سکیں منکرات مکروہ سے ہے۔ (کتاب المباغت ص۵

خلافت ولید بن یزید بن عبد الملک

اس خلیفہ کے متعلق سبھی جانتے ہیں کہ نہایت درجہ کا شرابی تھا اس کی جسارت یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ اس نے خانہ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب پینے کی کوشش کی، اپنی ماں بہنوں بلکہ اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کرتا اور اپنے بھائی سلیمان بن یزید کے ساتھ بدفعلی کرنا چاہی اس کے فسق و فجور کے حالات سے تاریخ کے اوراق سیاہ ہیں۔ (تاریخ الخلفا ص۱۷۳)

اذان سے متعلق اس کا یہ واقعہ نہایت ہی قابل غور ہے کہ رات بھر یہ اپنی کنیز کے ساتھ شراب نوشی اور ہم بستری میں مصروف رہا جب صبح کی اذان ہوئی اور موذن نماز کے لیے بلانے آیا تو قسم کھا بیٹھا کہ آج یہی کنیز مسلمانوں کو نماز پڑھائے گی جو نشہ میں بھی چور تھی اور جنابت کی نجاست میں شب بھر بھری رہی چنانچہ اس کنیز نے اسی حالت میں مردانہ لباس پہنا اور خلیفہ کی جگہ اس نے سب کو نماز پڑھائی۔ (تاریخ جہنمی وغیرہ)

اس قسم کا واقعہ حضرت عثمان کی خلافت میں بھی ہو چکا ہے کہ حضرت عثمان کے مادری بھائی ولید بن عقبہ نے نشہ کی حالت میں نماز صبح پڑھائی اور اپنے پیچھے نماز پڑھنے والوں سے جن میں بہت سے صحابہ تھے اور بہت سے تابعین کہا کہ اگر کہو تو دو چار رکعت اور پڑھا دوں۔

یہ ولید بن یزید کل ۱۳ یا ۱۴ مہینے خلیفہ رہا جس کے بعد نہایت بیدردی سے قتل کر ڈالا گیا اور یزید ناقص تخت نشین ہوا اور چھ مہینے خلیفہ رہا اس کا بھی کوئی واقعہ اذان سے متعلق تاریخوں میں نہیں ملتا بجز اس کے کہ عیدین میں جلوس کی ایجاد اسی نے کی

قلعہ سے مصلے اتک دو رویہ قطار لشکر کی آراستہ کھڑی کرائی۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۷۲)

اس کے بعد برائے نام دو خلیفہ ہوئے ابراہیم بن ولید اور مروان حمار جس پر خلافت مروانی کا خاتمہ ہوا اور خلافت عباسیہ قائم ہوئی۔

چودھواں تغیر اس کا کوئی زمانہ تاریخ میں مذکور نہیں اور نہ مذکورہ بالا خلفاء سے اس تغیر کا کوئی تعلق ہے اس کے موجد انس بن مالک صحابی پیغمبر ہیں اسی لئے ہم نے خاتمہ خلافت کے بعد اس کو لکھا۔ مولوی وکیل احمد صاحب حنفی سکندر پوری مفتی حیدرآباد دکن اپنی کتاب اصباح الحق الصریح ص۴۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"تیسری بدعت اذان و اقامت جماعت ثانیہ کے لئے یعنی جب مسجد میں نماز جماعت اذان و اقامۃ سے ہو گئی تھی پھر دوسری جماعت نے چاہا کہ نماز جماعت سے پڑھی جائے تو (اس دوسری جماعت کے لئے اذان و اقامۃ درست ہے بخاری میں ہے وجاء انس الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ۔ (انس بن مالک مسجد میں آئے جب کہ نماز جماعت ہو چکی تھی انھوں نے اذان اقامت کہی پھر جماعت سے نماز پڑھی۔"

پندرھواں تغیر قبروں پر اذان دینا۔ یہ تغیر بھی مولوی وکیل احمد صاحب حنفی ہی کی کتاب سے معلوم ہوا مگر افسوس اس کی ابتدائی تاریخ نہ معلوم ہو سکی نہ اس کے تفصیلی حالات ہی کا پتہ چل سکا ہم مولوی صاحب موصوف ہی کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

"قبور پر اذان بدعت حقیقیہ نہیں ہے رسالہ مناظرہ جامع مسجد دہلی میں ہے۔

کلام در اذان بعد از دفن میت جاری شد۔ مولوی عبدالحی صاحب فرمودند کہ نزد من بدعت سیئہ است۔ مولوی رشید الدین خانصاحب گفتند کہ اذان بعد از دفن

در معنی تلقین میت است و تلقین میت بعد از دفن در حدیث موجود است و چون جناب
بجریان احکام محسوسه بدعت قائل شدید پس بدون اثبات جهت قبح در اذان بعد الدفن
آنرا چه گونه بدعت سیئه میفرمائید؟ بجواب گفتند من مقلد مذهب حنفی ام و در مذهب
من تلقین بعد الدفن روا نیست مولوی رشید الدین خان صاحب بجواب آن گفتند
که اگر من جواز تلقین بعد الدفن در کتب حدیث نموده دهم باز شما را حکم منع آن کدام
خواهد بود؟ مولوی عبد الحی صاحب فرمودند که آنحضرت صلعم و خلفائے راشدین
غایت شفقت بر امت داشتند چون از ایشان مروی نیست و هم در شرع نیست تلقین
بعد الدفن موجود نیست پس امرے را که آنحضرتؐ و خلفا با وجود کمال شفقت بر امت
بعمل نیاورده باشند اختراع آن بدعت سیئه باشد مولوی مخصوص اللہ صاحب
بجواب فرمودند که ازین تقریر لازم می آید که امام شافعی که قائل بآن است
خلاف شرع گفته باشد مولوی عبد الحی صاحب بجوابش فرمودند که در مذهب حنفی
نیست مولوی رشید الدین خان صاحب بجواب گفتند که چون تلقین بعد الدفن را
بے اصل گفته بودید و چون مذهب شافعی خلاف شرع نیست لہذا مولوی مخصوص اللہ
بجواز آن در مذهب نقض بر شما وارد کرده اند و بنده عرض می کند که چون اصل
اذان بعد الدفن تلقین میت بعد از دفن است و هر گاه تلقین بعد از دفن در حدیث
شریف موجود باشد پس اذان بعد الدفن را که اصل آن در شرع موجود است
بدعت سیئه گفتن روا نباشد مولوی عبد الحی صاحب فرمودند نزد من بدعت سیئه است
لیکن بکسے منع اذان نمیکنم انتہی مختصراً

میت کے دفن کے بعد اذان کہنے کی بحث چھڑی۔ مولوی عبد الحیٔ صاحب نے کہا
میرے نزدیک میت کے دفن کے بعد اذان کہنا بدعت سیئہ ہے مولوی رشید الدین
خان صاحب نے کہا دفن میت کے بعد اذان بجائے تلقین میت ہے اور تلقین میت بعد از دفن

حدیث سے ثابت ہے چونکہ آپ بدعت میں احکام خمسہ کے جاری ہونے کے قائل ہو چکے ہیں لہذا جب تک آپ یہ نہ ثابت کرلیں کہ دفن کے بعد اذان کہنے میں کیا خرابی ہے اُسے بدعت سیئہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ مولوی عبد الحی صاحب نے کہا میں مذہب حنفی کا مقلد ہوں ہمارے مذہب میں بعد دفن تلقین جائز نہیں۔ مولوی رشید الدین خاں صاحب نے اس کے جواب میں کہا اگر میں بعد دفن تلقین کا جائز ہونا حدیثوں کی کتابوں سے دکھا دوں پھر آپ اس کی ممانعت کا حکم کیسے لگا سکتے ہیں؟ مولوی عبد الحی صاحب نے کہا حضرت رسول خدا اور خلفائے راشدین امت مسلمہ پر انتہائی مہربان و شفیق تھے چونکہ ان حضرات سے تلقین بعد دفن منقول نہیں نیز شریعت میں بھی اس کا وجود نہیں لہذا ایسا کام جسے پیغمبر خدا اور خلفاء نے نہ کیا ہو اس کو اپنے جی سے کرنا بدعت سیئہ ہے اس کے جواب میں مولوی مخصوص اللہ صاحب نے فرمایا کہ آپ کی اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ امام شافعی جو تلقین میت بعد از دفن کے قائل ہیں وہ خلاف شرع قائل ہیں۔ مولوی عبد الحی صاحب نے فرمایا مذہب حنفی میں یہ چیز جائز نہیں مولوی رشید الدین خاں صاحب نے جواب میں کہا چونکہ آپ تلقین بعد از دفن کو بے اصل بتا رہے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ شافعی کا مذہب خلاف شرع نہیں اسی وجہ سے مولوی مخصوص اللہ صاحب آپ پر معترض ہیں میں عرض کرتا ہوں کہ چونکہ اذان بعد الدفن حقیقتہً تلقین میت ہے اور تلقین میت بعد از دفن حدیث شریف سے ثابت ہے لہذا اذان بعد الدفن کو جس کی اصل شریعت میں موجود ہے بدعت سیئہ کہنا جائز نہیں۔ مولوی عبد الحی صاحب نے فرمایا ہے تو میرے نزدیک بدعت سیئہ ہی لیکن میں کسی کو اس سے منع نہ کروں گا۔"

ان تغیرات و احکام سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ علمائے اہل سنت کے اختیارات خلفائے ماسبق سے کچھ کم نہ تھے جس شخص نے جو چاہا اپنے دل سے شریعۂ محمدیہ میں

اضافہ کر لیا۔ خداوند عالم تو فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم آج کے دن ہم نے دین کو تمہارے کامل کر دیا مگر یہ حضرات کسی طرح تکمیل دین کے قائل نہیں اپنے ایجادات و اختراعات سے برابر اضافہ پر اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اذان بھی ایک مسئلہ ہے مسائل عبادات سے اس میں اپنی عقل و رائے کو دخل دینا کیسا ہے یہ کچھ خلافت کا کام نہیں فتوحات نہیں کہ جس طرح چاہا سیدھے اُلٹے ہاتھوں سے لڑے یا رعایا کو تباہ و برباد کیا۔ یہ عبادت خدا کے مسائل سے ہے اس میں اسی کی تعمیل حکم چاہیئے یا اس کے رسول کے حکم کی نہ کہ اپنے نفس امارہ کی پیروی۔

متفرق واقعات متعلق اذان

اس سلسلہ خلافت کے واقعات اذان سے متعلق لکھنے کے بعد ہم چند واقعات اور لکھتے ہیں اگرچہ کل واقعات کا جمع کرنا محال ہے تاہم اس کی کوشش کی گئی ہے کہ بقدر امکان کوئی بات رہ نہ جائے۔

قصہ زریت وصی عیسیٰؑ

اس قصہ کو شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ازالۃ الخفا کے مقصد دوم فصل چہارم میں بیان کیا ہے جہاں انھوں نے حضرت عمر کے مکاشفات ذکر کیے ہیں۔ روایت کی گئی ہے کہ حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ فضلہ بن معاویہ انصاری کو حلوان کی طرف روانہ کریں جہاں جا کر وہ لوٹ مار کریں سعد نے دو سو سوار فضلہ کے ساتھ کیے اور حکم دیا کہ جا کر حلوان پر چھاپہ مارو۔ وہاں فضلہ نے بہت کچھ مال غنیمت پایا اور مظفر و منصور لشکر گاہ کی طرف واپس ہوا۔ اس اثنا میں نماز عصر کا وقت آگیا جو بہت تنگ تھا بہ مجبوری ایک پہاڑی کے دامن میں اُترے اور مال غنیمت کی حفاظت کا حکم دیا تاکہ نماز پڑھ کر پھر روانہ ہوں فضلہ نے اذان

شروع کی اللہ اکبر کہنا تھا کہ بالائے پہاڑ سے کسی نے آواز دی" تو نے بکبیر کہی اے نضلہ" جب نضلہ نے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہا تو پہاڑ سے آواز آئی" یہ کلمہ اخلاص ہے اے نضلہ" جب نضلہ نے اشہد ان محمداً رسول اللہ کہا تو پہاڑ سے آواز آئی" یہی وہ شخص ہے جس کی بشارت دی تھی ہم لوگوں کو عیسیٰ بن مریم نے اور کہا تھا اسی نبی کی اُمت پر خاتمہ ہوگا اور قیامت قائم ہوگی" جب حیّ علی الصلاۃ کہا تو آواز آئی" طوبیٰ ہے اس کے لئے جو نماز میں سعی کرے اور اس کی مداومت کرے" جب حیّ علی الفلاح کہا تو آواز آئی" بیشک رستگار ہوا جس نے اجابت کی۔ جب نضلہ نے کہا اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ تو آواز آئی" تو نے خاص طور پر کلمہ اخلاص کو ادا کیا اے نضلہ! خدا نے اس کے سبب تیرے جسم کو آتش جہنم پر حرام کیا۔

جب نضلہ اذان سے فارغ ہوا اور جماعت قائم ہوئی تو نضلہ نے آواز دی" تو کون شخص ہے خدا تجھ پر رحمت نازل کرے فرشتہ ہے یا جن یا دوسرا گروہ۔ خدا کی عبادت کرنے والوں سے جہاں تو نے اپنی آواز سنائی وہاں اپنی صورت بھی دکھا کہ یہ سارا لشکر لشکر ہے رسول اللہ کا اور لشکر ہے عمر بن الخطاب کا" راوی کہتا ہے کہ جب نضلہ نے یہ کلام کیا تو پہاڑ شگافتہ ہوا اور ایک شخص کا سر اس سے نمودار ہوا جو مثل سنگ آسیہ تھا داڑھی اور سر کے بال سفید تھے اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مسلمانوں نے جواب سلام دیا اور پوچھا تم کون ہو؟ اُس نے جواب دیا میرا نام زریب بن برثملا ہے عبد صالح حضرت عیسیٰ بن مریم کا وصی۔ انہوں نے یہاں مجھے سکونت کا حکم دیا اور دعا کی کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں جب تک حضرت عیسیٰ کا آسمان سے نزول ہو تم لوگ میری طرف سے عمر کو سلام کہنا اور کہنا کہ عدل و انصاف کرو اور جلدی کرو کہ اب وقت نزدیک آگیا ہے اس کے بعد

چند آثار قرب قیامت کے بتائے اور آنکھوں سے غائب ہوگیا۔

اس خبر سے نضلہ نے سعد کو مطلع کیا اور سعد نے مدینہ میں حضرت عمر کو لکھا جہاں سے حکم آیا مع کل مہاجرین و انصار اس پہاڑ کے پاس جاؤ اور اگر زریت سے ملاقات ہو تو میرا سلام پہونچانا۔ چنانچہ سعد چار ہزار مہاجرین و انصار کے ساتھ وہاں آئے اور ۴۰ روز تک وہاں ٹھہرے رہے اور اذان دیتے تھے مگر نہ جواب سُنا نہ کسی کا خطاب معلوم ہوا (ازالۃ الخفا مقصد دوم ص ۱۶۸)

جس خلوص نیت سے شاہ صاحب نے اس روایت کو لکھا ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں مگر راوی اول اس کا زیادہ مستحق اجر و جزا ہے کہ اس نے اپنی جماعت پر ایک ایسا احسان کیا کہ کسی طرح کوئی اس کا حق ادا نہیں کر سکتا مگر افسوس یہ ہے کہ علمائے اہل حدیث عام طور پر اس روایت کو موضوع اور کذب و افترا بتا رہے ہیں جس سے ساری محنت اول راوی اور شاہ ولی اللہ صاحب کی خاک میں مل جاتی ہے کیونکہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں عبد الرحمان بن ابراہیم اسی مالک سے ایک طولانی اور باطل حدیث نقل کرتا ہے اور وہ اس روایت کے وضع کرنے کے ساتھ متہم ہے اس کے بعد اسی روایت نضلہ کو مختصر طور پر لکھ کر فرماتے ہیں وھذا شی لیس بصحیح یعنی کسی طرح یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال جلد دوم ص ۸۸)

اس کے بعد علامہ ذہبی نے اس روایت کے دیگر راویوں کا سلسلہ بہ سلسلہ ذکر کیا اور سب کو کذاب و مفتری اور اُن کی بیان کردہ روایتوں کو غلط و باطل ٹھہرایا ہے بہت افسوس ہے کہ اس روایت کو خود علمائے اہل سنت نے موضوع اور باطل بنا دیا جس سے شاہ ولی اللہ صاحب کو سخت صدمہ ہوگا ورنہ شیعوں کے حق میں بھی یہ روایت بہت مفید تھی کیونکہ وہ اس روایت سے وجود ذی جود حضرت مہدی موعود علیہ السلام پر کچھ استدلال کر سکتے تھے

کیونکہ جب وصی حضرت عیسیٰ کا باقی رہنا ممکن ہوا تو وصی رسول اللہ کے بقاء پر کیوں کر تعجب ہو سکتا ہے مگر افسوس روایت ہی موضوع ٹھہری۔

ام ورقہ یہ وہ قصہ بھی اصل میں خلافت خلیفہ دوم سے متعلق ہے سنن ابی داؤد میں ہے کہ جس وقت حضرت پیغمبر خدا غزوہ بدر کے لئے جا رہے تھے ام ورقہ بنت نوفل نے حضرت سے عرض کی کہ مجھے بھی غزوہ میں ساتھ چلنے کی اجازت دیجئے میں آپ کے ساتھ مریضوں کی تیمارداری کروں گی شاید خدا مجھے بھی شہادت کے درجہ پر فائز کرے حضرت نے جواب دیا تو اپنے گھر میں بیٹھی رہ خدا تجھے یہیں شہادت کا ثواب عنایت فرمائے گا راوی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ عورت شہیدہ کے لقب سے یاد کی جاتی تھی یہ قرآن پڑھے ہوئے تھی اس نے حضرت سے اجازت لی کہ اپنے گھر موذن مقرر کرے حضرت نے اجازت دی اور اس کے یہاں اذان ہونے لگی۔ اس کی ایک لونڈی تھی اور ایک غلام دونوں نے ایک دن مل کر ایک لحاف کے نیچے دبا کر اس عورت کا گلا گھونٹ دیا اور بھاگ گئے جب حضرت عمر نے سنا تو گرفتار کرنے کا حکم دیا وہ دونوں پکڑ کر لائے گئے اور ان کو سولی دی گئی یہ پہلی سولی تھی جو مدینہ میں واقع ہوئی اور دوسری حدیث میں ہے کہ یہ پہلی سولی ہے جو اسلام میں دی گئی۔

دوسری روایت اس کی یوں ہے کہ خود حضرت پیغمبر خدا اس کی ملاقات کو اس کے گھر تشریف لایا کرتے تھے اور اس عورت کو اجازت دی تھی کہ اپنے گھر والیوں کی امامت کرے اور ایک موذن اس کے لئے مقرر کیا جس کے بارے میں عبدالرحمان روایت کرتا ہے کہ میں نے اس موذن کو بڑھاپے میں دیکھا تھا۔

اس حدیث سے اس پر استدلال کیا جاتا ہے کہ عورتوں کو بھی جماعت سے نماز پڑھنی چاہیئے مگر علامہ منذری نے اس میں یہ قدح کی ہے کہ اس روایت کے سلسلہ اسناد میں ولید بن جمیع ہے جس کے بارے میں لوگوں کو کلام ہے اور مستدرک امام حاکم میں ہے کہ

اس باب میں سوائے اس کے اور کوئی حدیث مستند نہیں۔

اس بارے میں حضرت عائشہ کا بھی نام لیا گیا ہے کہ وہ بھی اذان و اقامت کہہ کر عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور اُن کے بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں۔ حالانکہ ابن عدی نے کامل میں اور ابو الشیخ نے کتاب الاذان میں اسماء بنت ابی بکر سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا عورتوں پر نہ اذان ہے نہ اقامت نہ جمعہ نہ غسل جمعہ نہ اُن کے آگے کھڑی ہو بلکہ اُن کے بیچ میں کھڑی ہو۔

یہ مسئلہ امامت نسواں بھی بڑا اختلافی مسئلہ ہے امام شافعی قائل ہیں عورتوں کا بجماعت نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اوزاعی۔ سفیان ثوری۔ احمد اسی کے قائل ہیں امام نخعی و شعبی قائل ہیں کہ یہ امامت نوافل میں ہونی چاہیئے نہ فرض نمازوں میں۔

امام ابو حنیفہ قائل ہیں کہ صرف عورتوں کی جماعت مکروہ ہے۔ امام محمد بن جریر طبری قائل ہیں کہ عورتیں مطلقاً امامت کر سکتی ہیں خواہ مردوں کی جماعت ہو یا عورتوں کی۔ ابو ثور مزنی بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک اور حسن بصری قائل ہیں کہ عورتیں کسی کی امام نہیں ہو سکتیں نہ فرض میں نہ نفل میں۔

ان اختلافات کی تنقیح و ترجیح میں مولوی عبد الحی صاحب نے ایک رسالہ تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء بہت شرح و بسط سے لکھا ہے جس کے بعد کسی تحریر کی ضرورت نہیں کیونکہ اس رسالہ میں بخوبی ظاہر ہے کہ ہر شخص نے کس کس طرح کی ایجادوں سے ان احکام شرعیہ میں کام لیا ہے۔

حنفی حضرات نے جن جن دلیلوں سے جماعت نسواں کی غیر مشروعیت پر استدلال کیا ہے اس میں اذان بھی داخل ہے صاحب درایۃ فرماتے ہیں اگر عورتوں کی جماعت مشروع ہوتی تو اذان بھی اُن کے لئے مشروع ہوتی کیونکہ وہ ندا ہے اسی جماعت کے لئے۔

اس کے جواب میں مولوی عبد الحیٔ صاحب لکھتے ہیں (۱) خود حضرت عائشہ کے بارے میں ہے کہ وہ اذان کہتی تھیں اور اقامت فرماتی تھیں اس کے بعد امام بن کر عورتوں کو نماز پڑھاتیں اور بیچ میں کھڑی ہوتیں (مستدرک)

(۲) اگر مشروعیت اذان سے یہ مراد ہے کہ مردوں کا اذان دینا عورتوں کے لئے تو ام ورقہ کی حدیث میں مذکور ہوا کہ بحکم رسول ان کے لئے ایک موذن معین تھا جو اذان دیتا اور ام ورقہ امامت کرتی اور اگر خود عورتوں کے اذان کی مشروعیت مقصود ہے تو یہ لازم نہیں کیونکہ اگر طفل ممیز بھی جماعت رجال کے لئے اذان دے تو کافی ہو جاتا ہے تو ان کی عدم مشروعیت ان سے عدم مشروعیت جماعت لازم نہیں۔

(۳) بہت سی نمازیں مشروع ہیں اور ان میں اذان نہیں ہے جیسے نماز عیدین نماز کسوف و استسقاء وغیرہ حالانکہ ان میں جماعت مشروع ہے۔

(۴) عورتوں کا اذان دینا اس لئے ناجائز قرار دیا گیا کہ اس میں فتنہ کا خوف ہے جیسا کہ تصریح کی گئی ہے کہ نغمۂ عورت یا عورت کا آواز بلند کرنا بھی عورت کے حکم میں داخل ہے تو اس کی عدم مشروعیت سے جماعت کی عدم مشروعیت لازم نہیں آتی۔

(۵) عدم مشروعیت اذان نسواں بھی اتفاقی نہیں امام شافعی کا ۳ قول ہے (۱) عورتوں پر نہ اذان ہے نہ اقامت (۲) دونوں مستحب ہیں (۳) اقامت مستحب ہے نہ اذان (دیکھو تحفۃ النبلا صـ۲۹)

اس بحث میں اگر پورے غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوا ان سب اختلافوں کا منشاء ہی حضرت عائشہ کا فعل ہے جنھوں نے شاید جنگ جمل کے زمانہ میں

اس کا قصد کیا ہوگا کہ اگر لوازم خلافت سے امامت صلوٰۃ بھی ہے تو اُس میں ہم کیوں بند ہیں جو کوئی نقص لازم آئے اسی کے لئے وہ حدیث ام ورقہ بھی بنائی گئی جس کا غیر معتبر ہونا ابھی مذکور ہوا اور چونکہ مدار مذہب اہلسنت افعال صحابہ پر ہے اس لئے اس قدر اختلافات پیدا ہوئے ورنہ ان اختلافات کی کوئی ضرورت نہ تھی حکم خدا و رسول واضح ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ صرف اسی مسئلہ اذان کے متعلق آج تک کتنے اضافے اور کتنی بدعتیں پیدا ہوئیں صرف خلفا ہی نے اپنی ایجادات پر اکتفا نہ کی بلکہ ہر ہر صحابی اور تابعی نے اپنی اپنی خواہش کے مطابق اضافہ کیا۔

یہاں تک کہ چند دن ہوئے فتح پور کے جدت پسند مسلمانوں نے ایک اور اضافہ کیا کہ خلفائے ثلثہ کا نام بھی داخل اذان کر دیا جس کی نسبت مقدمہ بازیاں بھی ہوئیں اور شاید فیصلہ ان کے خلاف ہوا ہو۔

اصل یہ ہے کہ چونکہ شریعت محمدیہ کو یہ لوگ اپنی رائے کا تابع سمجھتے ہیں لہٰذا جو کچھ کر نہ گزریں وہ کم ہے ورنہ اگر واقعی یہ لوگ حضرت رسول اللہؐ کی نبوت پر ایمان لائے ہوتے اور ختم رسالت کے قائل ہوتے تو یہ خرابی کیوں ہوتی دیکھئے ایک طرف قادیان میں نبوت کا ڈنکہ بجتا ہے دوسری طرف ایبٹ آباد میں فضل حق صاحب خلیفۃ المسیح مدعی خلافت مسیح ہوئے جن کی تائید میں حضرت خضر مقرر ہوئے۔

(پیسہ اخبار مورخہ ۸ر فروری ۱۹۳۰ء)

مختصر یہ کہ یہ سب خرابیاں محض اس وجہ سے پیدا ہوئیں کہ ان مسلمانوں کا عقیدہ ختم رسالت پر آنحضرتؐ کے درست نہیں ہے محض عوام کی فریب دہی کے لئے اسلام

کا نام لیا جاتا ہے ورنہ اگر واقعی ان کا یہ اعتقاد ہوتا تو شریعت محمدیہ میں یہ سب خرابیاں کیوں ہوتیں اور آئے دن دعوائے نبوت کیوں کیا جاتا۔

موضوعات اذان

اب ہم تاریخ الاذان کو اس کے موضوعات پر ختم کرتے ہیں ان موضوعات و اکاذیب سے اس کا بھی پتہ چلے گا کہ اپنی خواہشوں کی تکمیل کن کن صورتوں سے کی گئی ہے کیونکہ یہ اذان محض ایک اعلان و اعلام ہے اُن مسائل عظیمہ سے نہیں جن پر دین اسلام کا دارومدار ہے تو جب اذان کی یہ درگت بنائی گئی تو اور احکام کی کیا حالت ہوئی ہوگی جن کو صرف آخرت ہی سے تعلق نہیں بلکہ ان سے دینی و دنیوی دونوں اغراض و فوائد وابستہ ہیں۔

ایک حدیث یہ بنائی گئی کہ موذن جب اشہد ان محمد رسول اللہ کہے تو سننے والوں کو چاہیئے کہ دونوں ہاتھ کی انگشت شہادت کو بوسہ دیں اور آنکھوں پر پھیریں اور یہ کہتے جائیں اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد علیہ السلام نبیّنا۔ دیلمی نے حضرت ابوبکر سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا جو شخص ایسا کرے گا بروز قیامت میں اس کی شفاعت کروں گا۔

علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ مگر ملا علی قاری کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر تک اس روایت کا سلسلہ پہونچتا ہے تو اس کو کرنا چاہیئے کیونکہ ارشاد پیغمبر علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین بھی تو حدیث ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایسا نہ کرنا چاہیئے۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ ابن طاہر کا قول ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

دوسری حدیث یوں ہے کہ جب اشهد ان محمد ارسول اللہ سنے تو کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ پھر دونوں انگوٹھوں کو چومے اور دونوں انگوٹھوں پر پھیرے اس سے نہ اندھا ہوگا نہ آنکھیں اس کی آشوب کریں گی۔

تذکرہ میں ہے کہ یہ حدیث بھی صحیح نہیں (فوائد مجموعہ صـ۹)

تیسری حدیث یہ ہے کہ اذان و اقامت میں اس قدر فاصلہ ہونا چاہیئے کہ آدمی کھانا کھا سکے۔

قزوینی کہتے ہیں کہ یہ حدیث بھی موضوع ہے۔

چوتھی حدیث یہ ہے کہ جب موذن اذان شروع کرتا ہے تو خدا اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھتا ہے۔

اس حدیث کا راوی عمر بن صبیح ہے جو مشہور حدیثیں گڑھنے والا تھا۔

ان کے علاوہ بہت سی حدیثیں اذان کہنے والوں کی فضیلت میں بنائی گئی ہیں جو مختلف اور طولانی روایتیں ہیں طوالت کے خوف سے ہم ان کو ذکر نہیں کرتے۔ لئالی مصنوعہ علامہ سیوطی، اور فوائد مجموعہ علامہ شوکانی ملاحظہ ہو۔

ان موضوعات سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بلا ضرورت محض اپنے دل کو خوش کرنے کے لئے یہ اختراعات و ایجادات کیئے گئے ان میں ان کا کوئی مفاد بھی نہیں تھا اگر جہاں کوئی اچھی بات ان کے ذہن میں آتی اس کے لئے ایک حدیث گڑھ دی تو بغیر ضرورت کے وقت کیا کچھ نہ افترا کیا ہوگا جب سے رسول اللہ کی مقدس روح قبر مطہر میں خوش ہوتی ہوگی اور اپنی اس امت کے لئے کیا کچھ نہ دعا دیتی ہوگی۔ (تمام شد)

فہرست مضامین

دفتر اصلاح کا — تازہ ترین شاہکار

ائمۂ اربعہ

برادران اہلسنت نے تقلید و اتباع بس اپنے چار اماموں میں منحصر کردی ہے اور انتہائی خوش عقیدگی سے اُنھیں وہ درجہ دے دیا ہے جو انبیاء کو بھی نصیب نہ ہو سکا۔ ان چاروں اماموں کی سوانحعمریاں بہت سی شائع ہوئیں مگر وہ سوانحعمریاں نہیں بلکہ مناقب کی کتابیں ہیں حقائق و واقعات سے خالی اور عقل و فہم کے لئے صد درجہ ناقابل قبول۔ شدید ضرورت تھی کہ ان حضرات کے بے کم و کاست حالات منظر عام پر لائے جائیں اور خوش عقیدہ مریدوں کی ڈالی ہوئی دبیز نقابیں سرکا کر صحیح خد و خال پیش کر دیے جائیں تاکہ انصاف پسند افراد فیصلہ کر سکیں کہ ہزاروں ہزار بڑے بڑے جلیل القدر علمائے اسلام کو نظر انداز کر کے تقلید کو ان چار اماموں میں منحصر اور اُن کے بعد قیامت تک کے لئے اجتہاد کا دروازہ بند سمجھ لینا کہاں تک صحیح ہے۔ ملت جعفریہ کے قدیم ترجمان اصلاح نے ضروری سمجھا کہ سوانح عمری حضرت ابوبکر و عمر کی طرح ان چاروں ائمہ اہلسنت کے تحقیقی حالات بھی شائع کر کے طالبان حق و ہدایت کے لئے صراط مستقیم واضح کرے "کتاب ائمہ اربعہ" سے جہاں چاروں اماموں کے صحیح صحیح حالات معلوم ہوں گے وہاں یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان چاروں کا بالواسطہ یا بلا واسطہ اہلبیتؑ سے نسبت تلمذ رکھنا اور اُن کے خرمن کا خوشہ چیں ہونا ان کے لئے عظیم فضیلت اور بہت بڑا شرف قرار دیا جاتا ہے۔

"ائمۂ اربعہ" حقائق و معارف کا بیش بہا ذخیرہ ہونے کے ساتھ ساتھ ملت جعفریہ کی حقانیت و صداقت کا عظیم ترین شاہکار بھی ہے۔

قیمت ——— سات روپے پچاس پیسے (7/50) علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ:۔ مینیجر اصلاح کھجوا ضلع سارن (بہار)

شیعہ کون ہیں اور کیا ہیں؟

مذہب شیعہ مسلمانوں سے علیحدہ کوئی مذہب نہیں۔ شیعوں کے عقائد و نظریات اُن کے اصول و فروع ٹھیک وہی ہیں جو حضرت پیغمبر خدا اور اہلبیت طاہرین اور نیکوکار صحابہ کرام کے تھے وہ ان احکام و اوامر کے پابند ہیں جو قرآن و سنت کے رو سے ہر مسلمان پر عائد ہوتے ہیں اور اُن تمام باتوں سے اجتناب واجب لازم سمجھتے ہیں جن کی قرآن اور سنت نبوی میں ممانعت وارد ہوئی ہے مگر اس سب کے باوجود مذہب شیعہ ہمیشہ ہی سے نشانۂ ظلم و ستم رہا کوئی دور ایسا نہیں گذرا جس میں شیعوں کو تیغ و شمشیر سے بھی ختم کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو، اور زبان و قلم سے بھی یہ مظالم اُن پر حکام و سلاطین اسلام نے بھی کئے اور عام مسلمانوں نے بھی شیعوں کو نت نئی تہمتیں لگائی گئیں اور سیکڑوں ہی غلط سلط باتیں اُن کی طرف منسوب کردی گئیں جن کو نہ حقیقت سے کوئی تعلق تھا نہ واقفیت سے کوئی لگاؤ۔

مدیر اصلاح کی اس تازہ ترین تالیف میں شیعیت کا مختصر سا تعارف بھی ہے اور ان مظالم کا سرسری تذکرہ بھی جو اُن پر سلاطین و علمائے اسلام کی طرف سے ہر دور میں ہوا کئے۔ حجم ۶۸۴ صفحات قیمت۔ سات روپے (-/۷)

ملنے کا پتہ:- منیجر اصلاح کھجوا ضلع سارن (بہار)

مشاہیر اسلام

تاریخ ائمہ مشہور انبیائے کرام کے مختصر اور حضرت پیغمبر خدا اور ائمہ طاہرین ع کے مفصل حالات شیعہ و سنی کی معتبر کتابوں سے پانچواں ایڈیشن قیمت -/12

اعجاز الولی حضرت امیر المومنین ع کی سوانح عمری کی پہلی جلد علی ع کون تھے اور کیا تھے؟ اور اسلام کے لئے اُن کی ذات کتنی ضروری تھی پانچواں ایڈیشن قیمت -/15

ثقل اکبر سوانح عمری کی تیسری جلد علی ع کے متعلق پیغمبر خدا کے ارشادات صحاح ستہ اور حدیث کی معتبر ترین کتابوں سے قیمت -/10

قضایائے امیر المومنین ع سوانح عمری کی دسویں جلد۔ عہد پیغمبر ص و خلفائے ثلثہ نیز اپنے عہد خلافت میں امیر المومنین ع نے جن مشکل مسائل کے جوابات پیچیدہ مقدمات کے حل فرمائے -/7

سبط اکبر امام حسن ع کے تفصیلی سوانح حیات واقعہ صلح تعدد ازدواج اور آپ کی شہادت پر محققانہ بحث -/20

علی ابن الحسین ع مولوی ضیاء الحسن عبقاتی نواسہ سرکار ناصر الملۃ کی یادگار تصنیف حضرت امام زین العابدین ع کے سوانح حیات -/4

نور المشرقین امام محمد باقر و امام جعفر صادق ع کے تفصیلی حالات بنی امیہ و بنی عباس کے عہد تاریک میں جبکہ مادیت دہریت زندقہ اور الحاد کے سیلاب ہر طرف سے امنڈ آئے ان دونوں جانشینان پیغمبر ص نے شمع اسلام کو کس طرح فروزاں رکھا قیمت -/15

امام موسیٰ کاظم عراق کے نامور عالم باقر شریف کی زندہ جاوید تصنیف مترجم مدیر اصلاح قیمت دو جلد -/12

کربلا کی شیر دل خاتون مصر کی نامور ادیب و مورخ خاتون ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی کی تحریر کردہ سوانح عمری جناب زینب ۔ قیمت -/4

ثانی زہرا یہ سوانح عمری بھی جناب زینب ع کی ہے مصنفہ مولوی صادق حسین صاحب بی اے مرحوم قیمت -/4

حضرت ام کلثوم اس اہتمام کا تحقیقی جواب کہ ام کلثوم دختر علی ع و فاطمہ ع کی شادی حضرت عمر سے ہوئی 3/50

محمد بن حنفیہ ۔ نور نگاہ امیر المومنین محمد ابن حنفیہ ورتے الٰہی کی خدمات علمی و عملی کارنامے قیمت 4/50

مالک اشتر امیر المومنین ع کے محبوب ترین صحابی جو آپ کے لئے ویسے تھے جیسے خود حضرت علی ع پیغمبر خدا کیلئے قیمت -/7

ہاشم مرقال امیر المومنین ع کے جاں نثار فدائی جنکے نعرے معاویہ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر رہی قیمت 2/50

ملنے کا پتہ :۔ منیجر اصلاح کھجوا ضلع سیوان (بہار)